
محبت کی زبان
ہاشم علی خان ہمدم

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

محبت کی زبان

پانچواں مجموعۂ کلام

ہاشم علی خان ہمدمؔ

مکتبۂ ارمغانِ ابتسام

https://archive.org/details/@nzkiani
nzkiani@gmail.com

تعارف

نام	: ہاشم علی خان ہمدؔم
تاریخ پیدائش	: ۷/جولائی ۱۹۷۳ء
تعلیم	: ایم اے اردو، ایم اے انگریزی، بی ایڈ (پنجاب یونی ورسٹی لاہور)
جائے پیدائش	: خودہ شریف تحصیل حسن ابدال ضلع اٹک
پیشہ	: درس و تدریس
سرکاری ملازمت	: اسسٹنٹ پروفیسر (اردو) ایف جی ڈگری کالج واہ کینٹ
ادبی خدمات	: بانی و منتظم موج غزل ادبی فورم (فیس بک)
اصناف سخن	: حمد، نعت، غزل، نظم، سلام، منقبت، طنز و مزاح
تصانیف	: ۱۔ موجِ کرم (حمد و نعت)
	۲۔ پانچواں موسم (غزلیات)
	۳۔ آئنہ سچ بولتا ہے (غزلیات)
	۴۔ موج غزل (طرحی غزلیات)
	۵۔ محبت کی زباں (طرحی غزلیات)
	۶۔ دھوپ کی دیوار (طرحی غزلیات)
	۷۔ چراغِ فکر (طرحی غزلیات)

۸۔جہانِ خواب (طرحی غزلیات)

۹۔چشم تماشا (طرحی غزلیات)

۱۰۔سراب سے آگے (طرحی غزلیات)

۱۱۔تیسرے کنارے پر (طرحی غزلیات)

۱۲۔نمودِ سحر (طرحی غزلیات)

۱۳۔آدھا سفر (طرحی غزلیات)

۱۴۔دم (منتخب دیوان)

۱۵۔آخری چراغ (غزلیات)

۱۶۔طرحی غزلیات (زیرِ طبع)

۱۷۔نظموں کا مجموعہ (زیرِ طبع)

۱۸۔نعتیہ نظموں کا مجموعہ (زیرطبع)

۱۹۔نعتیہ مجموعہ (زیرطبع)

۲۰۔مزاحیہ کلام (زیرِ طبع)

پتہ : خودہ شریف، تحصیل حسن ابدال ضلع اٹک۔

فون نمبر : 0311-5509555

انتساب

محبت کی زباں میں

نذرانۂ دل وجاں

اپنے عزیزوں

دوستوں

اور

چاہنے والوں

کے نام

موج سخن کے رنگ میں جو کچھ کہا گیا
شعر و سخن کے باب میں حرفِ شمار ہے

موج سخن میں پیش کیا گیا کلام مشاعرہ نمبر ۱ تا چھیاسی

مشتری ہوشیار باش

کتاب کا نام	محبت کی زبان۔
شاعر	ہاشم علی خان ہمدمؔ۔
وضاحت	یہ ہاشم علی خان ہمدمؔ کے کلام کا مجموعہ ہے جسے برقی کتاب کے طور پر شائع کیا جا رہا ہے۔
کاپی رائٹ	جملہ حقوق بحقِ شاعر محفوظ۔
اِجازت	اِس کتاب کو حوالہ جات یا غیر کاروباری نقطۂ نظر سے استعمال کیا جا سکتا ہے یا اِس کا اشتراک کیا جا سکتا ہے تاہم اس میں کسی قسم کی کانٹ چھانٹ یا اس کی شکل تبدیل کرنے کی قطعی اجازت نہیں ہے۔ اِس کے لئے شاعر کی پیشگی اجازت ازحد ضروری ہے۔
صفحات	۱۹۰
سالِ اشاعت	اگست ۲۰۲۳ء
ہدیہ	دعائیں۔
پبلشر	مکتبۂ ارمغانِ ابتسام۔ اسلام آباد، پاکستان۔
برقی ڈاک	itshamdam@gmail.com

فہرست

پیشرس

خالقِ کائنات نے علم کی بدولت انسان کو اشرف المخلوقات بنایا اور انسانی فطرت میں کائنات کے سربستہ راز پنہاں کیے۔ انسانی شعور اپنے خمیر میں پوشیدہ خزانے وقت کے ساتھ ساتھ دریافت کرتے ہوئے زندگی کا سفر طے کر رہا ہے۔ علم اور آگہی کی روشنی ایسی تابناک ہے کہ ہر دور کے انسان کو چمکتا ستارہ بناتے ہوئے حیرت کے جہانوں میں محوِ پرواز رکھتی رہی ہے۔ شعور کے اولیٰ درجے میں انسان نے آگہی کا پہلا مرحلہ طے کیا تو اردگرد ارض وسما کے خطوط نقش در نقش مشاہدہ کیے۔ حیرت کے جہان وا ہوئے تو نطقِ انسانی ذریعہ ابلاغ بنا۔ وقت کی نامعلوم ساعتوں میں سفر کرتا انسانی شعور کائنات کے سربستہ راز کھول رہا ہے اور محبت کی زباں بول رہا ہے۔ مادی ماحول کے مشاہدے سے کشیدہ تصاویر کا تلازمہ انسانی شعور سے منطبق ہوا تو علامتی زبان ایجاد ہوئی۔ انسانی ضروریات کے تحت جنم لینے والی علامات رستوں کے سنگِ میل اور نقشِ قدم ابلاغ اور اظہار کی زبان کے حروف تہجی بنے۔ تصور کیا جا سکتا ہے کہ جب کوئی انسان جنگل میں چوٹ کھا کر گرا اور زخم سے بہتا خون کسی درخت یا پتھر پر جم گیا تو جذبے اور دکھ کی علامت پائی۔ علامتی زبان جاننے والا انسان طاقت ور اور معتبر کہلایا۔ علم کا زبانی دور کئی صدیوں پر محیط رہا۔ پھر انسان نے لکھنا سیکھا تو درختوں کی چھال، لکڑی، پتھر، چمڑے اور مٹی کی ٹھیکریاں ابتدائی کتب ٹھہریں۔ قدیم تصاویر اور پتھروں پہ کھنچی لکیریں اسی دور کی یادگار ہیں۔ کاغذ کی ایجاد نے انسانی شعور کی ترقی کا اگلا زینہ طے کیا تو فلسفہ، منطق اور سائنس کا لامحدود جہان وا ہوتا چلا گیا۔ میسو پوٹیمیا کا کتب خانہ ہزاروں اوراق پر مشتمل یک ورقی کتب کا پہلا علمی خزانہ بنا۔ مادی ترقی کے ساتھ ساتھ کائنات کی پرتیں کھولنے کی جون میں محبت کی

زباں اظہار پاتے ہوئے تہذیبی حسن کو مہمیز کرتی رہی۔کاغذ کا دور علمی انقلاب تھا۔کتاب، استاد اور درس گاہ نے علمی انقلاب برپا کیا۔انسانی شعور یونانی دور میں فلسفہ اور سائنس کی معراج کو چھونے لگا۔نام ور فلسفی، حکیم اور سائنس دان پیدا ہوئے۔قیمتی کتب لکھی گئیں، اکادمی اور لائسم جیسی تعلیمی درس گاہیں وجود میں آئیں۔سقراط، افلاطون، ارسطو، جالینوس، فیثا غورث اور ارشمیدس جیسے نابغہء روزگار علم و آگہی کا روشن مینار بنے۔فلسفہ اور سائنس کو عروج ملا۔طب اور حکمت نے ابدی مقام پایا۔یونانی دور کی تابناک روشنی اب تک قائم ہے۔اسلام کی روشنی نے انسانی شعور کو تکمیلیت کا راز بتاتے ہوئے ظلمتِ شب میں نورِ سحر سے خیرہ کیا۔آفاقی پیغامِ ہدایت کی رمز پاتے اہلِ اسلام نے دینی فریضے کے طور پہ علم و آگہی کے سفر میں آٹھ صدیاں سائنس کے میدان میں حکومت کی۔یورپ جہالت کے اندھیروں سے نکلا تو مسلمانوں کے علمی ورثے کو ترقی دیتے ہوئے ٹیکنالوجی کے جدید دور میں داخل ہو گیا۔سائنس اور ٹیکنالوجی نے انسانی سماج کو تیزی سے بدلا اور طاقت کا پیمانہ بدلتا چلا گیا۔عالمی سرمایہ دارانہ نظام دنیا کی سیاست اور معیشت پر قابو پانے کے بعد انسانی شعور کو فتح کرنے کی تگ و دو میں ہے۔کمپیوٹر کی ایجاد نے طاقت کے توازن میں بنیادی کردار ادا کیا ہے۔انٹرنیٹ دنیا کو گلوبل ویلج میں تبدیل کر چکا ہے۔انسانی سماج میں فاصلے سمٹ چکے ہیں۔مصنوعی ذہانت نے حیرت انگیز مستقبل کا آئنہ روشن کر دیا ہے۔کیا انسانی شعور اور سوچ پر حسب منشا قابو پایا جا سکے گا؟اس سوال کا جواب بھی انسانی شعور میں پنہاں ہے۔گذشتہ صدیوں میں تیز رفتار ترقی نے انسان پر علم و آگہی کے نئے در ایسے کھولے ہیں کہ وہ مسلسل جہانِ حیرت میں اپنی تہذیبی شناخت کے لیے سرگرداں ہے۔مادی ترقی کے ساتھ ساتھ ادب جو زندگی گزارنے کا سلیقہ عطا کرتا ہے وہ انسانی شعور میں عمل انگیز کے طور پر کارفرما ہے۔ذوق جمال کا مشاہدہ ہر قدیم و جدید ایجاد میں کیا جا سکتا ہے۔انسان کو مایوس نہیں ہونا چاہیے کہ اس کا ذوقِ جمال زندہ ہے جو نسل در نسل تہذیبی ورثے میں ڈھل رہا ہے۔محبت کی زبان دراصل انسانی شعور کی زبان ہے جو اظہار کے زبانی، تحریری، تصویری، علامتی اور برقی واسطے سے نظم و نثر کی صورت میں ایک انسان سے دوسرے انسان تک پہنچ رہی ہے۔

اردو ایک خوب صورت سماجی امتزاج سے جنم لینے والی زبان ہے۔اردو زبان و ادب کے فروغ میں سماجی ذرائع ابلاغ خاص طور پر فیس بک، ٹوئٹر، یوٹیوب، وٹس ایپ اور ٹک ٹاک نے

انقلابی کردار ادا کیا ہے۔ دس سال پہلے ۲۰۱۲ء میں فیس بک پہ ادبی سرگرمیوں کا آغاز کیا تو آن لائن مشاعروں میں شرکت کا موقع ملا۔ کئی معروف ادبی گروپ ہفتہ وار طرحی مشاعرے منعقد کر رہے تھے ۔جن میں الف، ادبیکا، انحراف، گلکاریاں اور دیا نمایاں تھے۔ ابتدائی طور پر گلکاریاں اور دیا ادبی فورم کے پچاس سے زائد ہفتہ وار طرحی مشاعروں میں شرکت کی۔ کچھ عرصہ بعد موج سخن کا قیام عمل میں آیا اور اس گروپ کے بانی نسیم شیخ کے ساتھ بہ طور منتظم مسلسل ایک سو تیس ہفتہ وار طرحی مشاعرے منعقد کیے۔ اس گروپ میں نام ور شعرا نوید ظفر کیانی، روبینہ شاہین بینا، قدسیہ ظہور، جیا قریشی، شعیب خان اور ڈاکٹر عزیز فیصل کا ساتھ رہا۔ اسی دوران امریکہ میں مقیم ایاز مفتی نے اپنے والد گرامی عبدالستار مفتی میموریل عالمی فی البدیہہ مشاعرہ کا آغاز کیا۔ یہ ایک منفرد تجربہ رہا کہ ایک ہی شاعر کی زمینوں میں مسلسل کلام کہنے کا موقع ملا۔ شعیب نوید خان عمدہ شاعر اور دیرینہ دوست ہیں جن کے ساتھ عالمی ادبی فورم آن لائن مشاعرہ میں بہ طور منتظم ایک سو اڑتیس مشاعروں میں شرکت کی۔ احمد علی نوجوان شاعر ہیں جن کے ساتھ کئی ادبی گروپس میں کام کا موقع ملا جن میں بزم اشعار، قوس قزح اور سخن دان ادبی فورم نمایاں ہیں۔ ان گروپس کے سو سے زائد طرحی مشاعروں میں بھی فی البدیہہ طرحی کلام کہنے کا موقع ملا۔ کئی اور ادبی گروپس میں بھی طرحی کلام پیش کیا جن میں بزمِ ثاقب، بحرِ سخن، دشتِ سخن کے سودائی، بزمِ سخن وراں، چوپال، چنگیر، انحراف، مرام، بزمِ تخلیق، بزمِ عالی وغیرہ شامل ہیں۔ اپریل ۲۰۱۶ء میں موج غزل ادبی فورم کی بنیاد رکھی جس میں نوید ظفر کیانی، روبینہ شاہین بینا اور قدسیہ ظہور میرے ساتھ ابتدائی منتظم تھے۔ اب ملتان سے تعلق رکھنے والی معروف شاعرہ نادیہ سحر بھی بہ طور منتظم ہمارے ادبی قافلے کا حصہ ہیں۔ موج غزل میں ابتدائی پچاس مشاعرے طرحی مصرعوں پہ منعقد ہوئے مگر اس کے بعد سے اب تک تین سو پچھتر سے زائد مشاعروں میں غیر طرحی اور نظمیہ مشاعروں کا سلسلہ جاری ہے۔ جن میں منفرد قوافی، پابند حرفی ردیف، منفرد ردیف اور اصناف سخن رنگ نمایاں ہیں۔

ادبی سفر کے بحرِ بے کراں میں موج سخن اہم سنگ میل ہے جہاں میں نے نسیم شیخ کے ساتھ بہ طور منتظم بھرپور مشقِ سخن کی۔ مسلسل ایک سو تیس ہفتہ وار طرحی مشاعروں میں میزبانی کے ساتھ تزئین و آرائش اور اشاعتی سرگرمیوں میں شامل رہا۔ موج سخن میں بہت کچھ سیکھنے کا موقع ملا۔ موج سخن انتظامیہ میں نسیم شیخ، قدسیہ ظہور، ہما خان، احمد علی، روبینہ شاہین بینا اور نوید ظفر کیانی کے ساتھ بہت اچھا کام کرنے کا موقع

ملا۔خاص طور پر روبینہ شاہین بینا نے موج سخن طرحی مشاعروں میں پیش کیے گئے کلام کی تزئین و آرائش کے لیے شب و روز محنت کی۔ انھیں اپنے شریک سفر نوید ظفر کیانی کا بھرپور تعاون حاصل رہا۔اس ادبی گروپ میں دنیا بھر سے اچھے شعرا مشاعرے میں باقاعدہ شریک رہے جن میں ہندوستان سے ڈاکٹر احمد علی برقی اعظمی، ذہینہ صدیقی، ساز دہلوی، امین جس پوری، اسرار رازی، شہناز شازی اور نور جمشید پوری باقاعدہ شریک مشاعرہ رہے۔ پاکستان کے نامور شعرا جبار واصف، فیروز ناطق خسرو، ڈاکٹر عزیز فیصل محمود پاشا، اقبال ناظر، افتخار حیدر، رہبر صمدانی، افروز رضوی، شہناز رضوی، جیا قریشی، ایم زیڈ کنول، شعیب نوید خان، آزاد حسین آزاد، تیمور ذوالفقار، ماجد جہاں گیر، غضنفر علی، ظہیر قندیل، طارق محمود راہی، عادل اشرف، کاشف عرفان، رحمان حفیظ، عرفان قادر اور بہت سے بزرگ اور نوجوان شعرا موج غزل کے باقاعدہ ممبر رہے۔موج سخن کا ادبی سفر کامیابی سے رواں دواں تھا کہ نسیم شیخ کے ساتھ کچھ انتظامی اختلافات کے باعث ہمیں الگ ہونا پڑا۔موج سخن سے علیحدگی اختیار کرنے والی انتظامیہ کے ساتھ موج غزل ادبی فورم کا قیام ادبی سفر کا تسلسل تھا جو تین سو سے زائد ہفتوں سے جاری و ساری ہے۔موج سخن ایک ادبی تنظیم کی صورت اختیار کر چکا ہے اور ادب کے فروغ میں سرگرم ہے۔اللہ یہ ادبی سفر کامیاب و کامران فرمائے۔آمین

موجِ سخن میں پہلے ایک سو تیس مشاعروں میں کہا گیا کلام حمد، نعت، غزل اور موضوعاتی نظموں پر مشتمل ہے۔طرحی غزلیات دو مجموعوں کی شکل میں شائع ہو رہی ہیں۔ پہلے مجموعہ میں پہلے چھیاسی مشاعروں میں کہا گیا کلام ''محبت کی زباں'' کے عنوان سے پیش ہے۔جبکہ ستاسی سے ایک سو تیسویں مشاعرہ تک کہا گیا کلام ''دھوپ کی دیوار'' کے عنوان کے تحت اشاعت پزیر ہے۔جس کی برقی اشاعت کا اہتمام نوید ظفر کیانی اور روبینہ شاہین بینا نے کیا ہے۔اللہ تعالیٰ اس ادبی سفر میں ہمیں کامیاب اور بامراد فرمائے۔آمین۔

ہاشم علی خان ہمدم

۱۸ اگست ۲۰۲۳ء

☆

صدائے کن فکاں ہم سے نہ پوچھو
محبت کی اذاں ہم سے نہ پوچھو

دمِ تخلیق لیکن ہم کہاں تھے
وجودِ خاک داں ہم سے نہ پوچھو

ہمیں ادراک ہے کم مائیگی کا
مگر سود و زیاں ہم سے نہ پوچھو

کوئی ہنگامۂ شب تھا کہیں پر
پسِ شورِ سگاں ہم سے نہ پوچھو

ہجومِ شہر سے نکلا ہوا ہے
اصولِ کارواں ہم سے نہ پوچھو

دریچہ موجۂ گل سے کھلا ہے
کھلے ہیں گل کہاں ہم سے نہ پوچھو

فسانہ در فسانہ چل رہی ہے
دلوں کی داستاں ہم سے نہ پوچھو

ہوا کے دوش پر اڑنا پڑا ہے
قفس کا آشیاں ہم سے نہ پوچھو

ابھی کارِ محبت ہی بہت ہے
ابھی کارِ جہاں ہم سے نہ پوچھو

وسیلہ ہیں ہماری زندگی کا
مقامِ دوستاں ہم سے نہ پوچھو

ارادہ ہی نہیں ہے واپسی کا
کہاں ہیں کشتیاں ہم سے نہ پوچھو

دسمبر سے دسمبر تک رہا ہے
گیا دورِ خزاں ہم سے نہ پوچھو

درونِ دل اٹھی موجِ سخن ہے
محبت کی زباں ہم سے نہ پوچھو

دیا ہم نے بجھا ڈالا تھا لیکن
رکا ہے کیوں دھواں ہم سے نہ پوچھو

گلی میں کون ہمدم جا رہا ہے
کھلی ہیں کھڑکیاں ہم سے نہ پوچھو

☆

سرورِ قلب و جاں ہم سے نہ پوچھو
وہ نورِ جاوداں ہم سے نہ پوچھو

ہمیں کیا مل گیا کیا کھو چکے ہیں
نصیبِ دشمناں ہم سے نہ پوچھو

درونِ دل سمانے لگ گیا ہے
وہ بحرِ بے کراں ہم سے نہ پوچھو

ہم اپنی حد سے آگے بڑھ چکے ہیں
فصیلِ آسماں ہم سے نہ پوچھو

سلیقہ زندگی کا آ گیا ہے
مگر کیسے؟ کہاں؟ ہم سے نہ پوچھو

مسلسل خاک چھانی ہے جہاں کی
سفر کی داستاں ہم سے نہ پوچھو

شعور و آگہی ہے راز ہمدم
خموشی کی زباں ہم سے نہ پوچھو

☆

ذکر تیرا جہاں کہیں ہوتا
کاش میں بھی وہیں وہیں ہوتا

اپنی دھڑکن پہ دسترس ہوتی
لمحہ لمحہ بہت حسیں ہوتا

درمیاں میں تو کچھ نہیں ہوتا
یا تو ہوتا ہے یا نہیں ہوتا

فکرِ نو ہم کلام ہو جاتی
حرف میرا بھی دل نشیں ہوتا

تو نہ جاتا کبھی سمندر پار
میرا دل بھی یہیں کہیں ہوتا

تھام رکھا ہے تو نے دل ورنہ
میں کہاں پر پناہ گزیں ہوتا

احتراماً قبول کرتا ہوں
جرم اگرچہ مرا نہیں ہوتا

دل سمندر میں ڈھل گیا ورنہ
موج در موج آتشیں ہوتا

چوم لیتا میں اپنی قسمت کو
اک ستارا سرِ جبیں ہوتا

یہ حقیقت ہے یا نہیں ہمدمؔ
کچھ تو ہوتا ہے جو نہیں ہوتا

☆

قیس گھر میں اگر مکیں ہوتا
کیا وہ لیلی کا ہم نشیں ہوتا

عشق اگر کارِ آفریں ہوتا
میں یقیناً کہیں نہیں ہوتا

ہے نسیمِ بہار موجِ سخن
شعر اس کے سوا نہیں ہوتا

خون سے لال ہے وطن، اے کاش!
سبز پرچم ہی سرزمیں ہوتا

سخت نفرت ہے اس منافق سے
ہو کے میرا بھی جو نہیں ہوتا

سب سے پہلے میں خود کو پالیتا
عشق خود سے جو اوّلیں ہوتا

بندگی کو عروج مل جاتا
آسمانوں کا میں مکیں ہوتا

خود کو تقسیم کر لیا ہمدؔم
یوں نہ کرتا تو کیا نہیں ہوتا

☆

سفر کی دھول ، ستاروں کی روشنی ہو گی
ہر ایک خواب کی صورت بھی ملگجی ہو گی

یہی نہیں کہ ہمارا کوئی نہیں ہو گا
ترے بغیر قیامت کی زندگی ہو گی

وفا کی دھوپ میں جلتے ہوئے بدن ہوں گے
سروں پہ درد کی چادر تنی ہوئی ہو گی

نصابِ عشق میں لکھی ہیں داستانیں کئی
ہماری پریم کہانی تو ان کہی ہو گی

زہے نصیب کہ ہنس کھیل کے گزاری ہے
وہ زندگی جو کسی نے بسر نہ کی ہو گی

ملے جو پر تو زمانہ اڑان دیکھے گا
قفس کی خاک فضاؤں میں اڑ رہی ہو گی

ہمیں قبول نہیں ہے کبھی نفی ہونا
ہمارے بعد زمانے میں کیا کمی ہو گی

کفِ شعور پہ لکھیں گے جو پیامِ اماں
نجانے کون سے لوگوں کو آگہی ہو گی

پون پون سے الجھتی رہے گی جاں ہمدم
طرح طرح سے ہماری بھی دل لگی ہو گی

☆

یا الٰہی! آپ کے محبوب گردانے گئے
عاشقانِ مصطفیٰ کے طور پر جانے گئے

رونقِ بزمِ قلم، جانِ سخن جانے گئے
حرف ریزے پھول کی خوشبو سے پہچانے گئے

کیف و مستی میں چھپا تھا رازِ ہستی کا فسوں
دیر و مسجد سے نکل کر لوگ مے خانے گئے

عہدِ الفت میں قبائے جاں کے مالک آپ تھے
آپ نے جو کچھ کہا ہم پیار سے مانے گئے

دوستوں کے قہقہوں میں ہر اداسی بہہ گئی
ہم سرِ محفل سرورِ زندگی پانے گئے

دور رہ کر بھی دل و جاں کے عدو اپنے لگے
جو ہمیشہ سنگ تھے وہ غیر گردانے گئے

شوقِ لیلائے محبت میں ہوئے صحرا نشیں
ہم بھی گویا قیس تھے جو عشق فرمانے گئے

لے چلی اہلِ جنوں کو دشت میں آوارگی
جس طرف بھی عشق سے دو چار دیوانے گئے

بستیاں گنجان سے گنجان تر ہونے لگیں
بڑھ گئیں آبادیاں شہروں کے ویرانے گئے

ہم محبت کے امیں تھے پیار کے حامی رہے
نفرتوں کے شہر میں بھی امن پھیلانے گئے

بے سروں کو ڈھانپنا ہم سر پھروں کا کام تھا
دھوپ نگری میں بھی اپنی چادریں تانے گئے

دوستوں سے پیار کرنے کا سلیقہ تھا ہمیں
زندگی میں ہم خلوصِ دل سے پہچانے گئے

خود شکستہ کر لیے چہرے کے خد و خال بھی
آئنے کے سامنے جب لوگ پہچانے گئے

ہر قدم اک زخم تھا اہلِ سخن کے واسطے
شاعرِ رنگیں نوا ہمدؔم جو کہلانے گئے

☆

خوب قسمت ہے کہ سرکار سے لگ جاتے ہیں
ہم محبت میں درِ یار سے لگ جاتے ہیں

توڑ دیتا ہے سبھی مان سلگتا سورج
سائے گھٹتے ہیں تو دیوار سے لگ جاتے ہیں

لوگ چاہت میں بھی رکھتے ہیں انا کا جذبہ
خود بنائے ہوئے معیار سے لگ جاتے ہیں

شام ہوتے ہی مرے ساتھ پلٹ آتے ہیں
کچھ پرندے جو مری ڈار سے لگ جاتے ہیں

کھل ہی جاتے ہیں سبھی راز جہانِ نو کے
کچھ پتے وقت کے اخبار سے لگ جاتے ہیں

زندگی بحرِ تلاطم میں وفا کرتی ہے
ہم جو ٹوٹے ہوئے پندار سے لگ جاتے ہیں

موج در موج بھنور پار کیا کرتے ہیں
ڈوبتے وقت جو پتوار سے لگ جاتے ہیں

چھین لیتا ہے خدا ان سے کمائی دل کی
جو سخن بیچ کے دربار سے لگ جاتے ہیں

جرم میرا مرے ہونٹوں سے ادا ہوتا ہے
مجھ پہ الزام تو انکار سے لگ جاتے ہیں

چوٹ کھاتے نہیں نفرت سے کبھی بھی ہمدمؔ
زخم سینے میں مگر پیار سے لگ جاتے ہیں

☆

موجِ سخن کے باب میں ذوقِ نظر نہ ہو
ایسا بھی کیا کہ بات میں کوئی اثر نہ ہو

دیوار تک نہ ہو کوئی بے شک مرے قریں
لیکن فصیلِ ذات میں کوئی بھی در نہ ہو

سوچوں کے درمیان جو رستہ تھا طے ہوا
درپیش پھر سفر کوئی بارِ دگر نہ ہو

امن و اماں کے دیپ فروزاں رہیں سدا
بے شک مری زمین پہ شمس و قمر نہ ہو

ایمان ، اتحاد اور تنظیم کے اصول
اپنایئے تو قافلہ زیر و زبر نہ ہو

تجھ سے ملے ہوئے ہیں سبھی راستے مرے
میرا سفر تمام ! جو تو ہم سفر نہ ہو

پنچھی مرے جنون کا آزاد ہے مگر
اڑتا نہیں کبھی بھی جو بے بال و پر نہ ہو

گزری خیالِ یار میں ایسے تمام عمر
جیسے کہ اپنے آپ کو اپنی خبر نہ ہو

ہمدمؔ ہوا کے دوش پہ جانا ضرور ہے
چاہے مرے مزاج کا موسم ادھر نہ ہو

☆

طلوعِ صبح پہ رکھا چراغ جل جائے
خدا کرے کہ اندھیروں کی رات ڈھل جائے

قفس میں لوٹ کے آتا نہیں اسیرِ چمن
حدودِ ذات سے اک بار جو نکل جائے

مرا خلوص محبت کا ایک سکّہ ہے
یہی بہت کہ زمانے کے ساتھ چل جائے

کہیں سے لوٹ کے آؤ نا! بانکپن کے ساتھ
کہیں تو بہرِ خدا آج دل سنبھل جائے

مری دعا ہے محبت کا پانچواں موسم
اسی طلب میں دسمبر کی شام ڈھل جائے

ہمارے ساتھ جو گزریں وہ پل غنیمت ہیں
اسے کہو کہ نہ جائے وہ آج، کل جائے

وہ جن کے دم سے پلٹتا ہے ڈوبتا سورج
کرم کریں تو مقدر مرا بدل جائے

وہ آ رہا ہے وفا کا خراج لینے کو
دعا کرو کہ محبت سے کام چل جائے

اسے مٹا نہیں سکتا کوئی عدو ہمدؔم
جو ایک بار محبت کے بیچ پل جائے

☆

مصرعۂ موجِ سخن لے کے بہم آتے ہیں
رونقِ شعر و ادب، اہلِ قلم آتے ہیں

گھر کو ہم چھوڑ کے جب سوئے حرم آتے ہیں
دل کے رستے میں ترے نقشِ قدم آتے ہیں

مجھ کو درپیش تو خوشیوں کا سفر ہے لیکن
لوگ کہتے ہیں کہ اس راہ میں غم آتے ہیں

گھیر لیتے ہیں مجھے وہم و گماں کے اندر
دل کے مندر میں جو پتھر کے صنم آتے ہیں

مجھ کو جھکنے نہیں دیتی تری نسبت ورنہ
تیز آندھی میں تو برگد میں بھی خم آتے ہیں

جب بھی چلتے ہوئے مشکل سا مقام آتا ہے
کام ایسے میں محبت کے ستم آتے ہیں

تزکیہ ایک ہی سجدہ ہے جہاں بھی کر لو
دل کی دنیا میں کئی دیر و حرم آتے ہیں

زندگی بھر کا سفر دشت نوردی تک ہے
منزلِ شوق میں دو چار قدم آتے ہیں

میری تعبیر میں بھیگا ہوا ساون لکھ دو
خواب میرے بھی سرِ دیدۂ نم آتے ہیں

ہم حسینؑ ہیں ہمیں چشمِ وفا سے دیکھو
کوئی مشکل کہیں پڑ جائے تو ہم آتے ہیں

ٹوٹ سکتا ہی نہیں پیار کا رشتہ ہمدمؔ
بیچ دیرینہ تعلق کے بھرم آتے ہیں

☆

گو جگر چاک، کبھی چاک گریباں ہوں گے
ہم محبت کی کہانی میں بہ عنواں ہوں گے

زندگی بھر کی مسافت میں رگِ جاں ہوں گے
وقت آنے پہ مگر لوگ گریزاں ہوں گے

جو ترے عشق میں پروانے بنے پھرتے ہیں
رونقِ بزم وہی شمعِ فروزاں ہوں گے

دیکھ لینا کبھی دھڑکن کی گلی میں آ کر
ہم محبت میں تری جان مری جاں ہوں گے

قیس در قیس بنے ہیں جو وفا میں مجنوں
مذہبِ عشق میں وہ صاحبِ ایماں ہوں گے

اس قدر گہرے تعلق پہ تو سوچا مت کر
کتنے سلجھے ہوئے گیسو ہیں، پریشاں ہوں گے

روندے جاتے ہیں خزاؤں میں شجر کے پتے
پھر ہرے ہو کے یہی موجِ بہاراں ہوں گے

ہم نے قسمت کی لکیروں میں انہیں بھی دیکھا
ہم پہ جو ظلم سرِ گردشِ دوراں ہوں گے

عشق بے دام نہ بکنا سرِ بازار کبھی
جان دینے کے طلب گار پریشاں ہوں گے

ہم کو مل جائے گی عظمت بھی سبا کی صورت
ہم براجمان سرِ تختِ سلیماں ہوں گے

ہاں مگر رسمِ مشیّت کا تقاضا یہ ہے
شہرِ ادراک میں بھٹکے ہوئے ناداں ہوں گے

خواب آتے ہیں بڑے پیار سے ارماں لے کر
ہم اگر خواب نہ دیکھیں تو پریشاں ہوں گے

زندگی بحرِ تلاطم سے نکلتی کیا ہے؟
منتظر دھوپ کنارے پہ بھی طوفاں ہوں گے

جن کے کردار سے تاریخ سجی ہے ہمدم
سوچتا ہوں کہ وہ کیا خوب مسلماں ہوں گے

☆

بت خانۂ حیات کو افسانہ کر دیا
مجھ کو ترے خیال نے دیوانہ کر دیا

مٹی مرے وجود کی پھر کام آ گئی
ٹوٹے ہوئے سفال کو پیمانہ کر دیا

توحید ایک اسم تھا پڑھتے گئے جو ہم
ہر لامکاں وجود کو بت خانہ کر دیا

اہلِ نظر کے دل میں وہ رازِ حیات تھا
منصور نے جو نعرۂ مستانہ کر دیا

کچھ نیک خواہشات ہیں پھر سالِ نو کے ساتھ
یاروں نے التفات بھی سالانہ کر دیا

اچھا بھلا مکان تھا دل بھی مرا مگر
بے دید، بے لحاظ نے ویرانہ کر دیا

دیکھا کریں غلام بھی چہرے کو بار بار
حسنِ مہِ تمام بھی ماہانہ کر دیا

دشتِ وفا کی پیاس تھی خونِ رگِ رسول ﷺ
نورِ نظر حسینؓ نے نذرانہ کر دیا

تو نے مرے وجود کو چاہت میں ڈھال کر
اندازِ زندگی کو امیرانہ کر دیا

آزادیِ نفوس کا ہم جشن کیا کریں
لوگوں نے ذہن و دل ہی غلامانہ کر دیا

شعر و ادب کے جام ہیں ہمدمؔ سجے ہوئے
موجِ سخن کو ہم نے بھی میخانہ کر دیا

☆

درد کے دریچے میں دل فگار کیا ہے؟
آئینہ کبھی دیکھو ، آر پار کیا ہے؟

خواب خواب چہروں کی جستجو نہیں رکتی
خواہشوں کی دھرتی پر اقتدار کیا ہے؟

امن فاختاؤں کے اڑ رہے ہیں پر لیکن
ذہن کی فضاؤں میں انتشار کیا ہے؟

دل تو ایک مورت ہے دھیان و گیان میں گم ہے
مطمئن فضاؤں میں انتظار کیا ہے؟

حرف دل کی باتوں سے سیر کیوں نہیں ہوتا؟
تذکرہ محبت کا بار بار کیا ہے؟

اِک نئے پرندے کی کوک ہے مرے دل میں
سوچ کے جزیرے پر مرغ زار کیسا ہے؟

رکھ دیا ترازو میں جب معاملہ دل کا
زندگی کے سودے میں پھر ادھار کیسا ہے؟

مفلسی کی تصویریں بک رہی ہیں لاکھوں میں
درد کے مصور کا کاروبار کیسا ہے؟

مجھ سے چھین لیتا ہے درد آشنائی بھی
غم کو بانٹنے والا غمگسار کیسا ہے؟

ایک ایک آنسو میں کائنات سمٹی ہے
ہجر میں ستاروں کا یہ شمار کیسا ہے؟

بھول کر بھی دھڑکن سے وہ جدا نہیں ہوتا
دیکھ لو مرے ہمدم ہجرِ یار کیسا ہے؟

☆

آئینے سے یہ پہلی ملاقات ہے
خود کو پہچان لوں تو بڑی بات ہے

وحشتوں کی فضاؤں میں کیسے جئیں
ہر طرف ایک شہرِ خرافات ہے

نیند آتی نہیں ، کوئی سوتا نہیں
شہر میں آج کل جاگتی رات ہے

ذات سے ذات تک کا سفر ہے مرا
اک تری ذات ہے اک مری ذات ہے

پاک دھرتی کا پر امن شہری ہوں میں
میرا دشمن چھپا گھات در گھات ہے

دِل سے دل کو ملاتی ہے موجِ سخن
فیس بک پر فسونِ کمالات ہے

جی رہا ہوں محبت سمیٹے ہوئے
میرے دامن میں یادوں کی بارات ہے

ہم سخن خامشی سے ہے حرفِ دعا
اک ترا ہاتھ ہے، اک مرا ہاتھ ہے

آنسوؤں سے بھری آنکھ سجدے میں ہے
میرے ہونٹوں پہ حرفِ مناجات ہے

یا الٰہی ! چمن در چمن خیر ہو
آتشِ گل سے لپٹا ہوا پات ہے

جان پر کھیل جاؤں میں ہمدم کبھی
دِل کی بازی مگر ہر گھڑی مات ہے

☆

الجھا ہوا خیال ہے تیرا کہیں جسے
آنکھوں کے آس پاس ہے سپنا کہیں جسے

ہائے ! جہانِ درد میں ایسا نہیں کوئی
کوئی تو غمگسار ہو اپنا کہیں جسے

رعنائِ خیال کا مرکز وہی تو ہے
چہرے کا رنگ روپ، اجالا کہیں جسے

لوگوں نے تیرے نام سے منسوب کر دیا
دنیا میں اور کون ہے میرا کہیں جسے

دھڑکن کے انگ انگ میں وہ ہے بسا ہوا
جانِ ادا کہ جانِ تمنا کہیں جسے

دولت کی ریل پیل میں نام و نسب گیا
اب آدمی کی شان ہے پیسا کہیں جسے

خوابوں میں روشنی کا دیا اک وہی تو ہے
نورِ نظر کہیں کہ اجالا کہیں جسے

کیا حاصلِ مشاعرہ مصرعہ کہیں کہ سب
موجِ سخن کا شعری اثاثہ کہیں جسے

سب کچھ عیاں ہے خواب کی صورت لیے ہوئے
کیا آئینہ وہی ہے کہ پردہ کہیں جسے

اوجِ خیالِ یار سے مشروط ہے وہی
موجِ بہارِ صبح کا جھونکا کہیں جسے

ہمدؔم بڑا ہی کیوں نہ ہو شجرہ نسب مگر
اچھا وہی ہے لوگ بھی اچھا کہیں جسے

آئینہ توڑ کے دیکھا بھی تو کیا نکلا؟
ایک ہی جسم کا بکھرا ہوا ٹکڑا نکلا

نوچ ڈالے ہیں سبھی خواب تو غصہ نکلا
اشک آنکھوں سے بہے، خون کا دریا نکلا

میں ترے شہر میں آیا تھا محبت لے کر
جب کہ ہر چیز کا معیار تو پیسا نکلا

میں نے مانگی ہوئی دولت کو پرکھ کر دیکھا
زیرِ کشکول مرے دیس کا راجا نکلا

کس نے ہاتھوں میں تھمایا ہے امیدوں کا چراغ
شہرِ ظلمت میں کوئی شخص تو میرا نکلا

کون کہتا ہے غزل میر سے بہتر ہمدم
میر در میرِ سخن اور بھی ویسا نکلا

☆

دورِ خزاں میں نغمۂ فصلِ بہار ہے
موج سخن پہ شعر کا دار و مدار ہے

موجِ سخن کے رنگ میں جو کچھ کہا گیا
شعر و سخن کے باب میں حرفِ شمار ہے

بزمِ رخِ کتاب میں دل ہے غزل سرا
دھڑکن میں اضطراب ہے، سینہ فگار ہے

تنظیم ہو تو ہم بھی اسے قوم کہہ سکیں
ورنہ یہ اک ہجوم ہے، گرد و غبار ہے

برفاب قربتوں سے ہے دل بھی سلگ رہا
سینہ فگار سنگ سے پھوٹا چنار ہے

میری حدودِ ذات بھی تیرے فسوں میں ہے
شہرِ خیال و خواب پہ تیرا حصار ہے

شائع ہوئے ہیں زخم بھی پیسے کے زور پر
اب تو غمِ جہان بھی اک روزگار ہے

لیکن حقیقتیں ہیں کہیں اور موج زن
ویسے تو آئنے کا جہاں شان دار ہے

کب سے مرے شعور کی الجھن سلجھ گئی
کب سے درِ جنون پہ دل طرح دار ہے

سویا نہیں ہے خواب کی جھولی میں ڈال کر
خواہش کی مور چال پہ دل بے قرار ہے

ایندھن بنی ہے شاخِ ثمر بار کس لیے؟
اب گھر میں ایک پیڑ ہے جو سایہ دار ہے

حدّ ادب ! کہ دیکھیے پتھر کی آنکھ سے
جادو بھری نظر سے کوئی آشکار ہے

کتنا خراج چاہیے دہشت شعار کو؟
مٹی لہو لہو ، مرا پانی فشار ہے

آ جا کہ ایک بار تو تجھ سے گلے ملوں
تجھ کو خبر نہیں ہے، مجھے انتظار ہے

ہوتی نہیں ہے میری سی ہمدم غزل کہیں
شہرِ سخن میں آج بھی وہ تاج دار ہے

☆

موج سخن ہوئی ہے احساس شاعری کا
ہے میری حرف ریزی گل زار زندگی کا

مل جل کے بانٹتے ہیں اپنی محبتیں ہم
ہے دوستوں کے دم سے سارا مزا خوشی کا

ہنگامۂ محبت ایسا بپا ہوا ہے
دل تک پہنچ گیا ہے چرچا گلی گلی کا

الجھی ہوئی لکیریں منظر پہ آ گئی ہیں
ٹوٹا ہے آئینہ یا چہرہ حیرتی کا

اقبال نے دیا ہے انداز زندگی کا
مقروض ہے زمانہ شانِ قلندری کا

موجِ سخن میں آ کر یوں ہی سلگ رہا ہے
ہوتا نہیں مداوا دل سے تری کمی کا

نورِ سحر سے آخر تیرہ شبی چھٹے گی
نکلے گا میرے دل سے سورج نئی صدی کا

حیرت کہ آج انساں، انساں سے ڈر رہا ہے
سنگین مسئلہ ہے امن و سلامتی کا

انسان ہوں میں ہمدمؔ انصاف چاہتا ہوں
میرا بھی المیہ ہے دنیا میں ہر کسی کا

☆

کفِ شعور پہ لکھی جو آرزو ہو گی
مری حیات کا محور، مری نمو ہو گی

قدم قدم نئی منزل کی جستجو ہو گی
اٹھیں گے پائے طلب تو زمیں رفو ہو گی

گماں تک بھی نہیں تھا کبھی حقیقت میں
خیال و خواب کی دنیا مری عدو ہو گی

ترا خیال تراشا مگر نہیں سوچا
مرے خیال کی صورت بھی ہو بہو ہو گی

دھنک مثال مجسم خیال ہے تیرا
کرن کرن تری صورت جمال رو ہو گی

کبھی تو امن کی وادی سے نور پھوٹے گا
دلوں کے بیچ محبت کی آب جو ہو گی

ہمیں نچوڑ کے رکھ دے گا دیکھنا اک دن
کبھی تو وقت کے دھوبی کی چھوا چھو ہو گی

مجال ہے جو کوئی اور بیچ میں آئے
وفا کے کھیل میں یہ جنگ دو بدو ہو گی

قبول خار کیے تھے کبھی مروت میں
خبر نہ تھی مری دھرتی لہو لہو ہو گی

میں خود کو بھول کے زندہ ہوں اس لیے ہمدؔم
کہ اس طرح مری ہستی بھی سرخ رو ہو گی

☆

دیے کو دیے سے محبت رہی
ہوا سے ہمیشہ عداوت رہی

تجھے اپنے چہرے پہ تکتا رہا
سرِ آئینہ تیری صورت رہی

شبِ وصل آنکھوں میں ہی کٹ گئی
ہمیں دور جانے کی عجلت رہی

مجھے سر بلندی نصیب ہو گئی
ترے نام سے میری عظمت رہی

عدو لوگ نفرت سنبھالے گئے
مرے ہاتھ چاہت کی دولت رہی

اکیلے اکیلے سفر کٹ گیا
ترے ساتھ چلنے کی حسرت رہی

وہیں پر ہمیں بندگی مل گئی
جہاں سر بسجدہ عبادت رہی

عبث ہو گیا دوستی کا عمل
عجب دشمنی کی روایت رہی

تری سلطنت میں جیے عمر بھر
سدا دل پہ تیری حکومت رہی

کٹھن میری ہمدم تھی منزل مگر
سلامت روی میں سہولت رہی

☆

آئینے کا جہاں یقیں پر تھا
عکس لیکن کہیں کہیں پر تھا

حُسن پھیلا جہاں کہیں پر تھا
ذکر تیرا وہیں پر تھا

سر جھکانا پڑا تھا سجدے میں
بوجھ ایسا مری جبیں پر تھا

گر رہی تھیں مکاں کی دیواریں
اور ملبہ پڑا مکیں پر تھا

بت پرستی شعار کیوں نہ کرے
دل ازل سے کسی حسیں پر تھا

ٹوٹتے ہی نہ تھے انا کے بت
سارا جھگڑا نہیں نہیں پر تھا

پھول کھلتے تھے چار سو ہمدمؔ
میں بہاروں کی سرزمیں پر تھا

☆

بجھتے دیے کی درد بیانی کے باوجود
کچھ بھی نہیں سنا ہے کہانی کے باوجود

کملا گئے ہیں پھول کہ احساس مر گیا
خوش بو نہیں ہے رات کی رانی کے باوجود

خانہ بدوش پھرتے ہیں اپنے ہی شہر میں
ہجرت نہیں ہے نقل مکانی کے باوجود

بچپن میں اپنے عہد کا ورثہ لیے ہوئے
ہم بوڑھے ہو گئے ہیں جوانی کے باوجود

اب تک کوئی بھی مصرعۂ تر کہہ نہیں سکا
موجِ سخن میں طرزِ فتا آنی کے باوجود

ہم عہدِ رفتگاں سے فرار ہو رہے ہیں یوں
بھٹکے ہوئے ہیں یاد دہانی کے باوجود

اِک المیہ ہے آج بھی معیارِ زندگی
سستا ہوا ہے خون گرانی کے باوجود

اہلِ جنوں کے سامنے پردہ محال ہے
بڑھتا رہے گا شوق ''ترانی'' کے باوجود

لفظوں سے کھیلنے کا ہنر ہم سے پوچھیے
اچھے ہیں اپنی تلخ زبانی کے باوجود

اسلوب ہی نہیں ہے کہ ہم شعر کہہ سکیں
الفاظ کھو گئے ہیں معانی کے باوجود

لفظوں کے ہیر پھیر سے مطلب ادا ہوا
مشکل غزل ہے قافیہ دانی کے باوجود

احساس مر چکا کہ روایت بدل گئی
ہنستے ہیں لوگ مرثیہ خوانی کے باوجود

دشتِ وفا میں سوچ بھی صحرا نورد ہے
دریا بھی اک سراب ہے پانی کے باوجود

ہمدم جبینِ وقت پہ لکھے ہیں واقعات
کردار ہی نہیں ہیں کہانی کے باوجود

☆

بنا ہے عکس مگر آئینے سے باہر ہے
مرا وجود مرے دائرے سے باہر ہے

صریرِ موجِ سخن ہے کتاب چہرے پر
جمال رنگ مگر حاشیے سے باہر ہے

بنا رہا ہوں جسے آئینے کے اندر میں
حدودِ ذات اسی دائرے سے باہر ہے

جسے تراش رہا ہوں میں خواب سے پہلے
وہ ایک خواب ابھی رتجگے سے باہر ہے

امیرِ شہر کے ساتھی ہیں حاشیہ بردار
مرا مقام ہر اک حاشیے سے باہر ہے

مری حدودِ نظر بھی خرید لی گئی ہے
سو آسماں بھی مرے طاقچے سے باہر ہے

کھلے گا جوں ہی فسانہ ابھر کے نکلوں گا
مرا بھی نام ابھی تذکرے سے باہر ہے

دمک رہے ہیں ستارے ابھی سے پلکوں پر
عجیب جشنِ چراغاں دیے سے باہر ہے

اسے میں شعر کی صورت کہوں تو کیسے کہوں
مری حسین غزل قافیے سے باہر ہے

چناب رت کے اسیروں کو مل نہیں سکتا
جنونِ عشق تو کچے گھڑے سے باہر ہے

ابھی تو ڈھونڈ رہا ہوں نشان قدموں کے
سفر تمام ابھی راستے سے باہر ہے

نزول دل پہ ہوئی ہیں محبتیں اتنی
مرا دماغ انہیں سوچنے سے باہر ہے

عجیب تر ہے زمانے میں عشق کا دستور
ہر اک اصول، ہر اک ضابطے سے باہر ہے

اسے بھی دل میں چھپا لوں تو ساتھ چلتے ہیں
بس ایک خار ابھی آبلے سے باہر ہے

تمام شہر عزاداریوں میں ہے مصروف
نجانے کون ہے جو سانحے سے باہر ہے

کسی بھی وقت میں چاہوں تو جھوم لوں ہمدم
مرا سفال مگر مے کدے سے باہر ہے

☆

ہم نہ ہوں گے تو کسی اور کے گھر جائے گی
زندگی ایک قیامت ہے گزر جائے گی

اِک نظر اور اگر خواب نگر جائے گی
چاک در چاک اجالوں میں اتر جائے گی

''خود کلامی'' مجھے ''صد برگ'' سے ''انکار'' نہیں
تیری ''خوش بو'' مرے اطراف بکھر جائے گی

میرے دامن میں کئی رنگ اجالے ہوں گے
جب نظر خواب کے منظر پہ ٹھہر جائے گی

اے شبِ ہجر ! ترا اور ٹھکانہ کیا ہے؟
آ مرے ساتھ اندھیرے میں کدھر جائے گی؟

اُس کی پلکوں پہ کئی روز سے گیلی چپ ہے
آنکھ جھپکی تو دھنک زاد بکھر جائے گی

موج در موج بھٹکتی ہے ہوا خانہ بدوش
دشتِ الفت میں کہاں خاک بسر جائے گی

مار ڈالے گی محبت مجھے پاگل کر کے
اور پھر آپ مرے عشق میں مر جائے گی

ایک صورت جو ابھی خواب بنی بیٹھی ہے
دل کی دھڑکن میں کہاں زود اثر جائے گی

اِک ملالہ جو عجب خوف میں ڈوبی ہوئی ہے
خواب دیکھے گی محبت کے تو ڈر جائے گی

خواب در خواب دریچے میں رکھی خوئے سخن
کر کے ادراک کی گلیوں میں سفر جائے گی

اِس کو الجھن میں سدھرنے کا ہنر ہے ہمدم
زلف لہرائے گی، بکھرے گی، سنور جائے گی

☆

انوارِ سخن لے کے سرِ عام چلے ہیں
احساس کے آنگن میں کئی دیپ جلے ہیں

ہم شوخ ستارے تھے نہ جگنو کی طرح تھے
پھر بھی کئی بجھتے سے دیے ساتھ چلے ہیں

دیوار ہے ٹوٹی سی ، ٹپکتی ہوئی چھت ہے
مٹی کے گھروندے میں کئی روگ پلے ہیں

بارش ہی مٹائے گی کبھی تشنہ دلی کو
ہم ہجر کے صحرا میں بڑی دیر جلے ہیں

تم دل کے ترازو میں کبھی پیار نہ رکھنا
ہم اہلِ محبت نہ برے ہیں نہ بھلے ہیں

سائے کی طرح تجھ سے تعلق جو ہوا ہے
صد شکر ترے پیار کی دیوار تلے ہیں

کشکول لیے ہاتھ میں مجنوں کی طرح ہم
لیلی تری گلیوں سے نہ لوٹے نہ ٹلے ہیں

کچھ پھول مرے ذوق سے نکھرے ہیں چمن میں
کچھ رنگ ہواؤں نے مرے دل پہ ملے ہیں

ہم لوگ جنوں خیز محبت کی نمو ہیں
تاریخ کے ہاتھوں نہ سڑے ہیں نہ گلے ہیں

اب کان ترستے ہیں مرے سات سروں کو
آواز میں جادو ہے نہ بھگوان گلے ہیں

وہ خواب جو سینچے تھے بڑے پیار سے ہمدم
اخلاص کی مٹی میں بہت پھولے پھلے ہیں

☆

رنگوں کے امتزاج کا پیکر لگا ہمیں
تو ساری کائنات کا محور لگا ہمیں

اک زلزلہ وجود کے اندر بپا ہوا
آئینۂ حیات پہ پتھر لگا ہمیں

دو چار ہاتھ کیا اٹھے مشکل میں تھامنے
چھوٹا سا اک ہجوم بھی لشکر لگا ہمیں

ہم برف زاد لوگ تھے یوں جم کے رہ گئے
شیشہ نما خیال بھی پتھر لگا ہمیں

سرمستیِ خیال میں کچھ گم تھے اس طرح
کہتے گئے جنوں میں جو بہتر لگا ہمیں

کچھ دورِ ہجرِ یار بھی اب سازگار ہے
کچھ دل غمِ فراق سے خوگر لگا ہمیں

تریاق ہی نہیں تھا تخیل کے زہر کا
خود آگہی کا ذوق بھی اژدر لگا ہمیں

تعبیر کے لباس میں باندھا گیا مگر
وہ خواب دار خواب سے باہر لگا ہمیں

شہرِ خیال و خواب میں دیکھا کیے جسے
آئینۂ جمال کا پیکر لگا ہمیں

یوں چٹکیوں میں درد کا لمحہ کچل دیا
اتنا کڑا عذاب! کہ مچھر لگا ہمیں

بس تیشۂ جنوں سے ہی کٹتا چلا گیا
وہ عشق کا پہاڑ بھی کنکر لگا ہمیں

خونِ جگر سے کھلنے لگا گلستاں مگر
کانٹوں بھری زمین کا بستر لگا ہمیں

کیسے خیالِ یار کی وسعت کو ناپتے
دل بھی تو ایک گنبدِ بے در لگا ہمیں

دھمال ڈالتے ہوئے دھڑکن کی تال پر
دِل عشق میں بھی مست قلندر لگا ہمیں

وہ خودسروں کے شہر میں اک کج کلاہ تھا
لیکن امیرِ شہر بھی بے سر لگا ہمیں

بے برگ و بار جسم کو برسوں کی پیاس تھی
قطرہ بھی آسمان سے گر کر لگا ہمیں

پیشِ نظر عجیب سا بحرِ سکوت تھا
صحرا سرشت ہجر کا ساگر لگا ہمیں

کب سے پڑے ہیں راہ میں پتھر بنے ہوئے
اے تازیانِ وقت نہ ٹھوکر لگا ہمیں

لے دے کے ایک طاقتِ پرواز ہی تو ہے
بے بال و پر ہوئے ہیں تو پھر پر لگا ہمیں

ہمدم ہمارے بیچ میں یہ کون آ گیا؟
سائے کا سایہ دیکھ کے کیوں ڈر لگا ہمیں

☆

دل آئینے سے برسرِ پیکار کیا کروں
اٹھنے لگی ہے بیچ میں دیوار کیا کروں

وہ تھا تو اس کے ساتھ یہ رنج و الم بھی تھے
غم ہی نہیں رہا مرے غم خوار کیا کروں

جانا پڑے گا دھوپ میں جلتے ہوئے مجھے
سب کٹ گئے ہیں راہ کے اشجار کیا کروں

پھر کیسے اعتماد کا پرچم بلند ہو
لوٹا گیا ہوں شہر میں سو بار کیا کروں

افسوس مجھ کو آج بھی فرصت نہیں ملی
مصروف زندگی ہے مری پیار کیا کروں

ممکن نہیں کہ صبح کا منظر بدل سکے
سوئے ہوئے شعور کو بیدار کیا کروں

چارہ گری بغیر سنبھلنا محال ہے
عشق ہو گیا ہے جان کا آزار کیا کروں

ہر بار آئینہ مجھے بدلا ہوا لگے
ہر بار اپنے آپ سے تکرار کیا کروں

دِل کو غمِ حیات سے چھٹی نہ مل سکی
فرصت نہیں رہی مجھے اتوار کیا کروں

کیا ہو کہ میں بھی وقت کا دھارا بدل سکوں
ادنیٰ سا ایک شخص ہوں سرکار کیا کروں

بیٹھے ہوئے فقیر ہیں خیرات بانٹنے
کاسہ لیے ہوئے سرِ دربار کیا کروں

پہلے ہی میرے جسم پہ پھولوں کے زخم ہیں
کانٹوں بھری زمین کو گلزار کیا کروں

مجھ کو مرے وجود کی قامت نہیں ملی
بونا قدوں کے شہر میں مینار کیا کروں

پانی کی ایک بوند کو ترسے ہوئے ہیں لوگ
ایسے میں اپنے آپ کو مے خوار کیا کروں

اقدار کھو گئیں، مری تہذیب مٹ گئی
ٹوٹے کھنڈر کو اور میں مسمار کیا کروں

میں نے کبھی ضمیر سے جیتی نہیں ہے جنگ
دل مانتا نہیں مرا اقرار کیا کروں

موجِ سخن ہے شعر کی تعلیم و آگہی
تہذیب کے شعور کا اظہار کیا کروں

ممکن نہیں کہ ہجر کی سرحد کو چھوڑ دوں
ہجرت زدہ وجود ہے گھر بار کیا کروں

دہشت کے اس عذاب میں جینا کمال ہے
چاروں طرف ہیں موت کے آثار کیا کروں

حرفِ سخن کے باب میں سچا ہوں میں مگر
پیشِ نظر ہیں جھوٹ کے انبار کیا کروں

جھوٹی محبتوں کے ہی عادی ہوئے ہیں لوگ
گہرے تعلقات کا پرچار کیا کروں

کوئی تو ہو کہ سونپ دوں عزّ و شرف جسے
سر ہی نہیں ہیں قابلِ دستار کیا کروں

اندر پڑی ہوئی ہے جو سلوٹ نہیں مٹی
اُلجھی ہوئی زمین کو ہموار کیا کروں

ہمدؔم زبانِ خلق پہ اچھی خبر نہیں
پڑھ کر میں اپنے شہر کا اخبار کیا کروں

اے خدا اپنی محبت کا سلیقہ دینا
جا بہ جا اسمِ محمد ﷺ کا وظیفہ دینا

آخری وقت کا رونا ہے سنبھل کر رونا
میں چلا درد کی دنیا سے دلاسا دینا

اک نظر دیکھ تو لوں میں بھی سحر کی صورت
موجۂ وقت مجھے خواب دریچہ دینا

میرے ماں باپ کی شفقت بھی ہے برگد جیسی
دھوپ میں جلتے ہوئے بچوں کو سایا دینا

آگ کے کھیل میں جھلسا ہے تو بچہ بولا
مجھ کو بندوق نہ دینا، کوئی بلا دینا

رونقِ موجِ سخن آج ہیں راکب راجاؔ
عزتیں اور بھی ان کو مرے مولا دینا

☆

چاک در چاک زمیں زاد کو رستہ دینا
گنبدِ عشق میں کھلتا ہوا صحرا دینا

میں ترے نام کی نسبت سے فروزاں ٹھہروں
میری تاریخ کے چہرے کو اجالا دینا

زاویے اپنے بگاڑے تو تجھے طاق کیا
آئینہ زاد مجھے اپنا ہی چہرہ دینا

زندگی پھر تری قربت کا نشہ مانگتی ہے
سرد ماتھے پہ سلگتا ہوا بوسہ دینا

دیکھنا پھر ترے آدم کی خدائی کیا ہے؟
ایک لمحے کو مرے ہاتھ زمانہ دینا

کتنا مشکل ہے لہو رنگ سیاہی لے کر
اپنے احساس پہ لکھا ہوا مصرعہ دینا

میری عظمت ہے، عبادت ہے، کہ رحمت رب کی
جب بھی دینا مری اوقات سے زیادہ دینا

ایک تاریخ جڑی ہے تری اجداد کے ساتھ
اپنے اسلاف کی عظمت کو سہارا دینا

ہم تو لٹتے ہیں محبت میں خوشی سے ہمدم
ہم نے سیکھا ہی نہیں پیار میں دھوکا دینا

☆

حلقۂ موج سخن آباد کر
ہم نوا اہلِ ادب کو یاد کر

خشک جھیلوں کے کنول آباد کر
پانیوں سے آئنہ ایجاد کر

بے ستوں کو عشق کی بنیاد کر
جذبۂ دل ، تیشۂ فرہاد کر

پھر سے تیری منزلیں گمنام ہیں
پھر سے تجدیدِ رہِ اجداد کر

قافیہ پیما نہ ہو جانِ غزل
حرف ریزی میں سخن ایجاد کر

موجۂ گل دے پیامِ زندگی
کوچۂ جاں سے گزر دل شاد کر

طاق ہونا ہے زمانے میں اگر
سب سے پہلے خدمتِ استاد کر

سوچ پر تالے لگا، خاموش رہ
حکم ہے، تعمیلِ استبداد کر

تو اکیلا ہے کہاں تک جائے گا
پہلے اپنی دوگنا تعداد کر

یوں حقیقت سے نہ تو آنکھیں چرا
روزِ روشن میں نہ یوں الحاد کر

پھر خزاؤں سے اُگا فصلِ بہار
خشک پتوں کو گلوں کی کھاد کر

اے خدا مجھ کو حسینؑ عزم دے
سجدہ گاہِ عشق میں سجاد کر

لامکاں تک وسعتِ پرواز دے
خاک زادہ ہوں مجھے آزاد کر

دل لگی میں دل لگاؤ پر لگا
پھر کہیں جا کر اسے نقاد کر

ماورا ہے عقل و دانش سے جنوں
عشق میں تو دل کو زندہ باد کر

ساری خوشیوں کا خزانہ ہے یہی
اپنے گھر میں رونقِ میلاد کر

جو بھی کرنا ہے وفا میں کر گزر
چشمِ ما روشن دلِ ما شاد کر

جو نظر آتا ہوں میں دکھلا مجھے
آئینے اپنا مجھے ہم زاد کر

اے مورّخ ! لکھ مرا کردار یوں
ہر گھڑی ہے سانحہ روداد کر

کاٹ دے میرا گلہ بسمل ہوں میں
رحم کا بھی وار اک جلاد کر

لوٹ کر آنا پڑے ہمدم انہیں
بھولنے والوں کو اتنا یاد کر

☆

مصرعۂ تر کی طرح گر فی البدیہہ مصرع نہیں
حلقۂ موجِ سخن میں دل مرا گویا نہیں

جان سے بڑھ کر محبت کی حفاظت کر گئے
دامنِ دل سے لہو کا داغ تک دھویا نہیں

کس نے رکھا ہے مجھے اک موجۂ ادراک میں
کون ایسا شخص تھا جو آج تک بھولا نہیں

خون لگتا ہے سخن میں حرف ریزی کے لیے
شاعری دشتِ جنوں میں ریت کا ذرہ نہیں

توڑ دیتی ہے مرا وجدان تیری خامشی
آگہی کی انتہا تک میں کبھی پہنچا نہیں

اپنے دل میں جھانکنے کی تاب ہی مجھ میں نہ تھی
آئنہ پیشِ نظر رکھا مگر دیکھا نہیں

بے خودی موجِ نمو کی قید سے آزاد ہے
خود بخود کھلنے لگا ہے پھول جو سینچا نہیں

سازشیں پلتی رہی ہیں سایۂ دیوار میں
کیوں امیرِ شہر نے حالات کو جانچا نہیں

سرخ رو ہو کر پڑا ہے جلوۂ تاریخ میں
جان بخشی کے لیے جو دار سے بھاگا نہیں

بیٹھ جاتے ہیں کسی برگد کی ٹھنڈی چھاؤں میں
دھوپ نگری میں در و دیوار کا سایہ نہیں

میں درونِ خواب سے نکلوں تو کچھ معلوم ہو
جو نظر آتی ہے دنیا وہ مری دنیا نہیں

زندگی کا غم نہ کر دشتِ جنوں میں چل میاں
جان کے بدلے بھی سودا عشق کا مہنگا نہیں

دوستو! نہلے پہ دہلا کھیل بھی سکتا ہوں میں
پر ترپ کا خاص پتہ آج تک پھینکا نہیں

کیا خبر اس کو مقامِ آدمیت اور ہے
جو انا کے خول سے ہمدمؔ کبھی نکلا نہیں

☆

دیدۂ خواب سمندر کا کنارا ہوتا
تجھ کو احساس کی دنیا میں اتارا ہوتا

کس طرح سوچ کے اندھوں میں گزارا ہوتا
آنکھ میں خواب نہ ہوتے تو خسارا ہوتا

حرف ریزی پہ دل وجان سے وارا ہوتا
کورے کاغذ پہ کوئی نقش اتارا ہوتا

موج در موج نمو زاد بدلتا موسم
خشک پتوں نے خزاؤں کو بہارا ہوتا

مجھ سے دیکھا نہیں جاتا ہے زمیں زاد کا دکھ
ایسی دنیا میں خدایا نہ اتارا ہوتا

زندگی کیوں مجھے جنگل کی طرح دکھتی ہے
کتنے انسان ہیں دنیا میں شمارا ہوتا

مجھ کو محسوس نہ ہوتی مرے زخموں کی کسک
دل بھی گردے کی طرح کاش ادھارا ہوتا

شوقِ لیلائے محبت میں جو مجنوں ہوتے
مذہبِ عشق سرِ دشت ہمارا ہوتا

ہم تھکے ہارے مسافر ہیں سرِ راہِ حیات
کاش ہم نے بھی کہیں بوجھ اتارا ہوتا

جز ترے اور جو ہوتا کوئی سانسوں میں شریک
دل کی دھڑکن کو بھلا کیسے گوارا ہوتا

تو دلا ! وصل کی آغوش میں مدہوش رہا
کوئی لمحہ تو سرِ ہجر گزارا ہوتا

تیرے پیکر سا کوئی اور بنا تا ہمدؔم
میرے ہاتھوں میں جو گوندھا ہوا گارا ہوتا

☆

مصرعۂ تر میں غزل زادِ فغاں ٹھہرے گی
عرصۂ موجِ سخن اردو زباں ٹھہرے گی

زندگی بھر کا سکوں ، راحتِ جاں ٹھہرے گی
موج در موج محبت ہی رواں ٹھہرے گی

دل سے نکلی ہے نظر آنکھ کہاں ٹھہرے گی؟
تیری صورت نظر آئے گی جہاں ٹھہرے گی

کیا خبر تھی کہ بہاروں میں نہاں ٹھہرے گی؟
موسمِ گل کے دریچے میں خزاں ٹھہرے گی

سر پہ رہتی ہے فلک زاد کی نیلی چادر
عشق صحرا میں کڑی دھوپ کہاں ٹھہرے گی

ظرف کی بات فقط ظرف نشیں سے ہو گی
موجۂ عشق تو سینے میں نہاں ٹھہرے گی

یعنی چلتی ہوئی سانسوں نے ٹھہر جانا ہے
زندگی وقت کی شمع کا دھواں ٹھہرے گی

درد کی لہر ہواؤں میں لیے پھرتی ہے
ٹھہر جائے گی مگر جانے کہاں ٹھہرے گی

ایک صورت مرے احساس کے پیکر تک ہے
میری آنکھوں میں سرِ خواب عیاں ٹھہرے گی

کون دیکھے گا لبِ بام تماشا میرا
آئینہ زاد حقیقت ہے گماں ٹھہرے گی

زندگی جبر کے صحرا میں بھٹکتی لو ہے
جس قدر چین سے گزرے گی زیاں ٹھہرے گی

مجھ کو معلوم ہے جنت کا ٹھکانہ ہمدؔم
کامیابی کی ضمانت مری ماں ٹھہرے گی

☆

اوج پر شاعری کا مزا لے گئی
دل تو موجِ سخن کی فضا لے گئی

موجۂ گل قبا در قبا لے گئی
مجھ کو مجھ سے ہی کر کے جدا لے گئی

یوں فلک در فلک آتما لے گئی
بوجھ میرا زمیں سے اٹھا لے گئی

ظلمتِ شب کی وحشت نے دھوکا دیا
آنکھ سے نور دل سے دیا لے گئی

جینے مرنے لگا تھا اسی کے لیے
جان میری وہ جانِ ادا لے گئی

دشت در دشت موجِ سفر ہی رہی
خواب صحرا سے مجنوں سرا لے گئی

یا خدا یہ خودی اب سلامت رہے
بت کدے سے جو جھوٹا خدا لے گئی

دل کی ناؤ پہ کتنا بھروسہ کیا
ڈوبتے ڈوبتے ناخدا لے گئی

دشمنوں میں تو اتنی سکت ہی نہ تھی
دوستی بس تری دوستا لے گئی

مصرعۂ تر کی صورت میسر کہاں؟
شاعری کا بھرم ہم نوا لے گئی

شہر ڈوبا ہوا ہے لہو رنگ میں
پھول کھلنے کا موسم ہوا لے گئی

ہر طرف قہر ہے، ظلم ہے، کرب ہے
کس جہاں میں یہ موجِ بلا لے گئی

میری مٹھی سے جگنو اڑا تو لگا
تیز ہوا جیسے میرا دیا لے گئی

شعر در شعر ہمدؔم سخن در سخن
مجھ کو موجِ غزل کی صدا لے گئی

☆

ٹوٹا ہوا چراغ جلایا نہ جائے گا
ظلمت کدے کے طاق میں لایا نہ جائے گا

جب آئینے میں عکس بنایا نہ جائے گا
خود کو کسی یقین پہ لایا نہ جائے گا

ممکن نہیں کہ ہجر میں جیون تمام ہو
سینے پہ غم کا طوق سجایا نہ جائے گا

دشتِ جنوں میں شوق سے آئے تو ہیں مگر
ہم سے یہ سنگِ عشق اٹھایا نہ جائے گا

موج بہار چاہیے گلشن کے واسطے
دورِ خزاں میں پھول کھلایا نہ جائے گا

دہشت نے سارے شہر کی نیندیں حرام کیں
لگتا ہے کوئی خواب دکھایا نہ جائے گا

مٹی کے خاص رنگ میں میرا خمیر ہے
مجھ کو مری زمیں سے اٹھایا نہ جائے گا

شہرِ خیال و خواب کی وسعت میں گم ہوئے
کھوئے ہوئے وجود کو پایا نہ جائے گا

کس کی انا خریدنے جائیں گے ساہوکار
کھیتوں میں جب اناج اگایا نہ جائے گا

دھڑکن کے آس پاس تو موجود ہے مگر
وہ شخص زندگی میں بسایا نہ جائے گا

ہمدم سفیرِ عشق ہیں تسلیم کیجیے
لوحِ جہاں سے ہم کو مٹایا نہ جائے گا

☆

صدائے موجِ سخن میں یہ حرفِ تر کیا ہے؟
حدیثِ چشمِ تماشا ہے مختصر کیا ہے؟

جنونِ عشق ہے ورنہ مرا سفر کیا ہے؟
مجھے خبر ہی نہیں کہ ادھر ادھر کیا ہے؟

جناب! ذوقِ طلب کے سوا کچھ اور نہیں
یہ سلسلہ مری منزل کا ہے، سفر کیا ہے؟

صریرِ جاں پہ مچلتی ہیں دھڑکنیں دل کی
غزل ہے چیخ کسی کی مجھے خبر کیا ہے؟

ہر ایک برگ ہے چادر خزاں گزیدہ کو
وفا کی دھوپ میں جلتا ہوا شجر کیا ہے؟

خموشیاں کسی طوفاں کا پیش خیمہ ہیں
دبا ہے راکھ کے اندر ابھی شرر کیا ہے؟

بچھڑ ہی جائیں گے ہم سے بھی یہ در و دیوار
بس ایک وقتی ٹھکانہ ہے اور گھر کیا ہے؟

ہر اک مکان کے اندر ہے لامکانی بھی
تو لامکاں ہے خدایا تو بحر و بر کیا ہے؟

لچک رہی ہے سیاہ ریشمی لبادے میں
بس ایک پھول کی ٹہنی ہے وہ کمر کیا ہے؟

سجے ہیں دل کے دریچے میں آئینہ زدگاں
یہ خواب خواب اجالا پسِ نظر کیا ہے؟

کسی بھی شکل سے ملتا نہیں ہے اپنا مزاج
یہ اپنے دور سے ٹوٹا ہوا نگر کیا ہے؟

کہ دردِ دل کی مسافت ہے، طے نہیں ہوتی
وفا کے دشت میں پھیلا ہوا سفر کیا ہے؟

اداس رت کے اسیروں کی بات کیا کرنا؟
یہ لوگ جانتے کب ہیں کہ معتبر کیا ہے؟

ابھی ہے گھور اندھیرا ابھی نہیں ہمدم
کھلے گی آنکھ تو دیکھیں گے ہم سحر کیا ہے؟

☆

کچھ دکھاتے چلے گئے ہوں گے
کچھ چھپاتے چلے گئے ہوں گے

یاد آتے چلے گئے ہوں گے
جب بھلاتے چلے گئے ہوں گے

جون کے شعر اہلِ موج سخن
گنگناتے چلے گئے ہوں گے

روشنی کے سفیر تھے ہم لوگ
دل جلاتے چلے گئے ہوں گے

زندگی گیت تھی سرِ راہے
گنگناتے چلے گئے ہوں گے

کچھ پرندے نظر نہیں آتے
پر کٹاتے چلے گئے ہوں گے

تیری قربت میں دھڑکنوں کے چراغ
جگمگاتے چلے گئے ہوں گے

شوخ آنکھیں تھیں بام پر اور ہم
ناز اٹھاتے چلے گئے ہوں

کتنا مشکل تھا زندگی کا ساتھ
ہم نبھاتے چلے گئے ہوں گے

ایک بارش کی آس پر ہاری
بیج اگاتے چلے گئے ہوں گے

دل سے دل کا عجیب رشتہ تھا
پاس آتے چلے گئے ہوں گے

وقت آئے گا دیکھنا ہمدؔم
جاں لٹاتے چلے گئے ہوں گے

☆

نغمۂ موج سخن ، نالۂ شب گیر میں آ
اے پری زاد! مرے خواب کی تعبیر میں آ

آئینہ زاد مجسم ہو ، کہ تصویر میں آ
اینٹ در اینٹ مرے جسم کی تعمیر میں آ

آ تجھے اپنے مقدر کا ستارہ کر لوں
لامکانی سے مرے ہاتھ کی تقدیر میں آ

محفلِ دل تری تقریبِ پذیرائی ہے
رونقِ بزمِ سخن ، حلقۂ توقیر میں آ

تجھ کو دینی ہے کسی مصرعۂ تر کی صورت
حرف در حرف مرے شعر کی تاثیر میں آ

تجھ سے رشتہ ہے مرا روح کی گہرائی سے
اے مرے دل کی کڑی حلقۂ زنجیر میں آ

تجھ کو معلوم کہاں ہے یہ جدائی کا دکھ
تو کسی روز مرے ہجر کی جاگیر میں آ

تجھ کو احساس کے کاغذ پہ امر کرنا ہے
اے خیالِ رخِ جاناں مری تحریر میں آ

بنتِ حوا نے پکارا ہے چناروں کے بیچ
ابنِ قاسم تو کبھی خطۂ کشمیر میں آ

تجھ کو معلوم ہے کچھ لوگ برا جانتے ہیں
تو نہ یوں شہر کے اخبار کی تشہیر میں آ

یہ فریضہ تو سرِ اشک لہو مانگتا ہے
نعت کہنی ہے تو پہلے غمِ شبیر میں آ

مجھ پہ کھل جائیں وفا کے سبھی اسرار و رموز
اس طرح پیشِ نظر عشق کی تفسیر میں آ

خاک دانی میں ترا تاج محل رکھا ہے
شہرِ ادراک سے آگے مری جاگیر میں آ

شعر کہنے کا سلیقہ نہیں تجھ کو ہمدؔم
تو کبھی بزمِ شہنشاہِ سخن میرؔ میں آ

☆

احساس کے کاغذ پہ لکھا عید مبارک
ہے موج سخن، حرفِ دعا عید مبارک

آئینہ ہوا جلوہ نما عید مبارک
اِک نور لب بام سجا عید مبارک

اِک چاند سرِ شہر لب بام سجا کیا
گلیوں میں بڑا شور اٹھا عید مبارک

دیکھا ہے لب بام تجھے چاند سمجھ کر
ہونٹوں پہ سجی ایک دعا عید مبارک

ہر سال محبت سے بغل گیر ہوئے ہیں
ہر سال ہوا عہدِ وفا عید مبارک

پھولوں نے بھی آنگن میں نئی چاپ سنی ہے
غنچے نے چٹکتے ہی کہا عید مبارک

ہے عید کا سامان اخوت کا سماں ہے
ہر شخص کھلے دل سے ملا عید مبارک

اخلاص کے بندے ہیں محبت کے غنی ہیں
کرتے ہیں یہی فرض ادا عید مبارک

محبوب کے دیدار پہ موقوف ہے دنیا
کہہ دوں گا سرِ حشر خدا عید مبارک

دامن کو رفو کر کے مجھے عید کرا دے
آ دل سے منا عید دلا ! عید مبارک

دھڑکن کے دریچے سے تصور کے مکاں تک
ہاں دل نے تجھے یاد کیا عید مبارک

اخلاص ، وفا ، پیار کا تحفہ ہے یہ ہمدمؔ
واجب ہے محبت میں منا عید مبارک

☆

طلوعِ صبح کی کامل گھڑی نہیں آئی
ابھی تلک ہے دھندلکا خوشی نہیں آئی

چراغ میں نے جلائے تھے روشنی کے لیے
نجانے کیوں مرے گھر میں ابھی نہیں آئی

چلے تھے شوق سے منزل کی آرزو لے کر
جنونِ اہلِ وطن میں کمی نہیں آئی

نیا شعور زمانے کی بات کرتا ہے
ابھی تو ہاتھ میں پچھلی صدی نہیں آئی

جو پہلے دن سے محبت ہمیں وطن سے تھی
خدا کا شکر کہ اس میں کمی نہیں آئی

چراغِ روزنِ شب سے نہال ہو کر بھی
غلام ذہن میں کیوں روشنی نہیں آئی

بھٹک رہے ہیں ابھی تک گماں کے دشت میں ہم
خیال و خواب کی صورت ابھی نہیں آئی

ہم ایک بھیڑ کو سمجھے تھے قافلہ اپنا
کٹھن سفر میں ہمیں رہبری نہیں آئی

یہ کس نے سبز زمینوں کو کر دیا بنجر
کہ بارشیں بھی ہوئیں تو نمی نہیں آئی

ابھی سے نیند میں چلنے لگے ہو کیوں ہمدم
ابھی تو خواب نگر میں پری نہیں آئی

☆

موجۂ خوش خرام اور سہی
خواہشوں کو سلام اور سہی

آئینے سے کلام اور سہی
حسنِ ماہِ تمام اور سہی

گر خوشی سے گریز لازم ہے
اِک اداسی کی شام اور سہی

پھول تازہ خریدنے ہیں مجھے
قیمتی ہیں تو دام اور سہی

خاک دانی سے دشتِ امکاں تک
چل پڑا ہوں تو گام اور سہی

ظاہراً تو خدا کے بندے ہیں
دل کے مندر میں رام اور سہی

آج محفل میں تو نہیں ساقی
آج پینے کو جام اور سہی

وقت لگتا ہے طاق ہونے میں
خاص ہونے میں عام اور سہی

مانتا ہوں میں اپنے دل کی بات
عقل کا ہے مقام اور سہی

تو نے کالا لباس پہنا ہے
آج موسم کا نام اور سہی

تیری خوش بو ہے میری دھڑکن میں
موجِ گل کا خرام اور سہی

آؤ ہمدم نماز پڑھتے ہیں
طور جیسا مقام اور سہی

☆

محبتوں کے فسانے میں اختصار کیا
لو ہم نے اپنی کہانی کو تار تار کیا

ترے فراق میں گزری ہے زندگی اپنی
گھڑی گھڑی تری یادوں نے بے قرار کیا

ترے خیال میں بارش سے دوستی کر کے
ہزار بار نگاہوں کو اشک بار کیا

ٹھہر گئی سرِ محفل مری نظر تجھ پر
یہ سلسلہ مری آنکھوں نے بار بار کیا

اٹھائے پھرتا ہوں سر پر میں نقشِ پائے رسول ﷺ
مرے حضور ﷺ نے مجھ کو بھی تاج دار کیا

بڑھا دیا مرے سائے کو دھوپ نگری میں
خدا کا شکر کہ سورج نے سایہ دار کیا

جمود ٹوٹنے والا کہاں تھا صدیوں بعد؟
جنونِ عشق ہنر تھا سو اختیار کیا

جما ہوا تھا جو آنسو سفید کاغذ پر
صریرِ موج سخن سے وہ آب دار کیا

صدائے موجۂ گل نے کیا مجھے مسرور
ترے خیال نے موسم کو خوش گوار کیا

بڑا حسین لگا ہے یہ موت کا چہرہ
کہ جاں نکلنے سے پہلے جو تو نے وار کیا

بڑھا لیے ہیں مصائب خلوص میں ہمدؔم
مرا یہ جرم کہ دشمن کو غم گسار کیا

☆

موجِ سخن میں شعر کے زیرِ اثر بدل گئے
ہم جو غزل سرا ہوئے اہلِ نظر بدل گئے

پھولوں کا رنگ اڑ گیا خوش بو بکھر کے مر گئی
کیسے کہیں کہ دھوپ میں کتنے شجر بدل گئے

چارہ گروں کے ہاتھ میں بخیہ گری رہی مگر
اب کے بھری بہار میں زخمِ جگر بدل گئے

بوڑھا شجر اکھیڑ کر پکا مکاں بنا دیا
دورِ خزاں کے خوف سے ہم بھی تو گھر بدل گئے

دیکھے گا کون آئینہ؟ سمجھے گا کون فلسفہ؟
اپنی نظر کا زاویہ ہم بھی اگر بدل گئے

پھر سے خموش ہو گئی سچی زبان شہر میں
اہلِ سخن عجیب تھے اپنا ہنر بدل گئے

اب کے برس بہار کا جانا عجیب تر رہا
موجِ ہوا کے ولولے اپنی ڈگر بدل گئے

کیسی خزاں رسیدگی ہمدؔم خوشی ملی ہمیں
کلیوں پہ رنگ آ گیا تتلی کے پر بدل گئے

☆

احساس کی زمیں پر پھیلا ہوا ہے گویا
اِک آئینہ مسلسل مجھ پر کھلا ہے گویا

اُمید کے سہارے ہر گام چل رہا ہوں
یہ گردشِ زمانہ موجِ بلا ہے گویا

اپنے وجود اندر خود سے الجھ رہے ہیں
پیشِ نظر ہمارے وہ آئنہ ہے گویا

کھلنے لگے ہیں مجھ پر اسرار بندگی کے
محسوس ہو رہا ہے میرا خدا ہے گویا

اِک دوسرے کی خاطر محوِ سفر رہے ہیں
میں ذات کا مسافر تو رہنما ہے گویا

تیرا گلاب چہرہ کردار ہو گیا ہے
الفت کی داستاں میں زندہ رہا ہے گویا

بچپن سے لے کے اب تک مسرور ہی رہا ہوں
ہر دور زندگی کا اچھا رہا ہے گویا

وہم و گماں کے سارے آثار مٹ چکے ہیں
دھڑکن کے آئینے میں نامِ خدا ہے گویا

اقبؔال کا ترانہ وجدان بن گیا ہے
موجِ سخن میں ہمدؔم دل بھی ہوا ہے گویا

☆

حیرت زدہ وجود کا ملنا کسی کے ساتھ
کتنا بڑا عذاب رہا آگہی کے ساتھ

دھوکہ، فریب، دوستی اور دشمنی کے ساتھ
کیا کیا کیا گیا ہے مری زندگی کے ساتھ

سایہ مرے وجود کی دنیا سے دور دور
آئینۂ حیات میں دیکھا کسی کے ساتھ

تیرے بغیر حرف سے نسبت فضول ہے
لازم ترا خیال ہوا شاعری کے ساتھ

شہرِ جنونِ عشق میں مجنوں نہ تھا مگر
صحرا نورد ہو گیا میں بھی کسی کے ساتھ

ہجرت میں تیرے شہر سے کر پا نہیں رہا
رشتہ مرا دوام ہے تیری گلی کے ساتھ

پھولوں کو دیکھ دیکھ کے ہوتی رہے غزل
گل داں پڑا ہے میز پہ اک ڈائری کے ساتھ

صحرا کفِ شعور تھا کھلتا چلا گیا
کتنے سراب جڑ گئے آوارگی کے ساتھ

موجِ ہوائے ہجر نے جھلسا دیا چمن
خوش بو کا رنگ اڑ گیا بکھری کلی کے ساتھ

جنگل ہوا ہے شہر بھی تہذیب کے خلاف
لڑتا ہے آدمی ہی یہاں آدمی کے ساتھ

اُس کے سفید ہاتھ پہ اک داغ تک نہیں
لوٹا ہے مجھ کو یار نے کیا سادگی کے ساتھ

مجھ کو ترے خیال سے فرصت نہ مل سکی
گویا مرا وجود ہے زندہ اسی کے ساتھ

یوں ہی تو میری آنکھ بھی چندھیا نہیں گئی
تاریکیاں ضرور ہیں اس روشنی کے ساتھ

موجِ سخن میں آج بھی تشنہ خیال ہوں
میری غزل تمام ہے تیری کمی کے ساتھ

ماہِ سخن چراغ ہے، روشن ہے شاعری
اُردو زباں دوام ہے ہمدم اسی کے ساتھ

☆

خاک داں سے گزار دے گی مجھے
زندگی یوں سنوار دے گی مجھے

زرد موسم میں زندگی کی نمود
موجبِ نو بہار دے گی مجھے

خاک سے میں بچھڑ گیا تو زمیں
اپنے اندر اتار دے گی مجھے

ہاں محبت ! مرا عقیدہ ہے
لاکھ الجھوں، سنوار دے گی مجھے

میں ستارے کشید کر لوں گا
روشنی یوں نتھار دے گی مجھے

میں خرد میں بہک نہیں سکتا
بے خودی ہی خمار دے گی مجھے

کج روی نے مجھے بگاڑا ہے
کج روی ہی سدھار دے گی مجھے

دِل کی مٹی میں یہ شجر کاری
رونقِ لالہ زار دے گی مجھے

اب تو رشتہ ہے سانس کا تجھ سے
تجھ سے دوری تو مار دے گی مجھے

گونجتی ہے شعور میں ہمدم
جو غزل کی پکار دے گی مجھے

☆

موجِ غزل دوام ہے موجِ سخن کے نام
شعروسخن کی شام ہے موجِ سخن کے نام

گلدستۂ خیال کو مہمیز کر دیا
خوشبو بھرا پیام ہے موجِ سخن کے نام

ہے ساقیِ خیال کی پرکیف شاعری
لفظوں کا جام جام ہے موجِ سخن کے نام

گنجینۂ خیال سے حسن و جمال تک
ہر موجۂ خرام ہے موجِ سخن کے نام

یہ فی البدیہہ مشاعرہ خوشیوں کی بزم ہے
ہر کوئی شاد کام ہے موجِ سخن کے نام

اہلِ سخن کے نام ہے جذبہ خلوص کا
چاہت بھرا سلام ہے موجِ سخن کے نام

موجِ سخن کی شان میں جو کچھ کہا گیا
ہر فی البدیہہ کلام ہے موجِ سخن کے نام

احساس کی زمین پہ مہکے پون پون
دل کا یہی پیام ہے موجِ سخن کے نام

کہتا ہوں اپنی موج میں اپنے شعور سے
دِل ہی مرا امام ہے موجِ سخن کے نام

حرفِ سخن کا رنگ ہے تاروں کی روشنی
حسنِ مہ تمام ہے موجِ سخن کے نام

شہرِ خیال و خواب کے در ہیں کھلے ہوئے
پر نور بام بام ہے موجِ سخن کے نام

صاحب! ہمیں تو ہدیۂ تبریک چاہیے
یہ بزمِ خاص و عام ہے موجِ سخن کے نام

اہلِ سخن کے سامنے میں ہوں غزل سرا
ہمدؔم صلائے عام ہے موجِ سخن کے نام

☆

وقت نے یہ لکھا ہے فیصلہ محبت کا
دل سے دل کو رہتا ہے سلسلہ محبت کا

روشنی کی کرنوں سے دھڑکنوں پہ لکھتا ہوں
مجھ پہ خاص رہتا ہے زاویہ محبت کا

ہجر کی مسافت سے لوٹ بھی نہیں سکتا
پڑ گیا ہے پاؤں میں آبلہ محبت کا

اب تو دشتِ الفت میں اک جنون لازم ہے
ماند پڑ نہیں سکتا ولولہ محبت کا

جس کو ساتھ چلنا ہے وہ چلے محبت سے
کون کون رکھتا ہے حوصلہ محبت کا

میرے دل کی ناؤ کو دور سے بلاتا ہے
خواب کے جزیرے پر اک دیا محبت کا

اب تو لازمی ٹھہری جنگ بھی محبت میں
دشمنی میں لازم ہے مورچہ محبت کا

بابِ آشنائی تو خاک تک نہیں رہتا
آسماں پہ کھلتا ہے طاقچہ محبت کا

بے نمو ہواؤں سے پھول کھل نہیں سکتے
رنگ اور خوشبو ہیں سلسلہ محبت کا

آدمی کی فطرت نے بس یہی دکھایا ہے
ایک رنگ نفرت کا دوسرا محبت کا

بے ثمر نہیں رہتا موسمِ خزاں میں بھی
جس شجر پہ رہتا ہے گھونسلہ محبت کا

کس نے آج تک صاحب رمزِ عشق سمجھی ہے
کون ہے جو سمجھائے فلسفہ محبت کا

نفرتوں نے کر ڈالا شہر زہر آلودہ
آؤ ہم سجاتے ہیں مے کدہ محبت کا

ابتدا تعلق کی چائے کی پیالی تھی
آج تک نہیں بھولا ذائقہ محبت کا

اب تو حرف ریزوں سے پیار ہی جھلکتا ہے
آ گیا ہے شعروں میں قافیہ محبت کا

تم تو دشتِ الفت میں قیس کے مخالف تھے
عشق کے مسافر سن ! کیا ہوا محبت کا

اس کی تند موجوں میں عشق کی روانی ہے
یہ سخن تو دریا ہے شاعرہ ! محبت کا

ہم نے ہجر لمحوں کا روگ پال رکھا ہے
تو بتا مرے ہمدم کیا کیا محبت کا

عشق ہو گیا ہمدم دل کا محور و مرکز
پھیلتا ہی جاتا ہے دائرہ محبت کا

محمود احمد مرحوم کے نام

کیا فسانہ ہے مرے یار نہ سمجھا جائے
آج محمود کا کردار نہ سمجھا جائے

زندگی جس نے جگر خوں سے عبارت کی ہے
ایسے فنکار کو فنکار نہ سمجھا جائے

المیہ موت کے ہاتھوں سے نمودار ہوا
درد ایسا ہے کہ آزار نہ سمجھا جائے

نم ہواؤں سے لپٹتی ہے مری موجِ سخن
دل ہوا تیرا عزادار نہ سمجھا جائے

''بات کرنے سے قبیلے کا پتہ چلتا ہے''
حرفِ ''محمودؔ'' کو اشعار نہ سمجھا جائے

تو کہیں دور، افق پار کا باشندہ تھا
تیرے کردار کا معیار نہ سمجھا جائے

کس عجب شان سے محمود نے دنیا چھوڑی
دل پہ ہمدمؔ جو کیا وار نہ سمجھا جائے

☆

خاک زادہ ہوں فلک زار نہ سمجھا جائے
آئنہ مجھ سے نمودار نہ سمجھا جائے

چند کانٹوں سے سرِ دشت الجھ بیٹھا ہوں
آبلہ پائی کو بے کار نہ سمجھا جائے

جان دینی ہے اداؤں سے ہمیں کیا مطلب
رقصِ بسمل کو طرح دار نہ سمجھا جائے

لوگ الفاظ کے معنی بھی بدل دیتے ہیں
ہر کسی شخص کو غم خوار نہ سمجھا جائے

سچ ہی لازم ہو زمانے میں ضروری تو نہیں
ہر پذیرائی کو معیار نہ سمجھا جائے

کچھ کھلونے ہیں جو پلکوں پہ سجا رکھے ہیں
زندگی خواب کا بازار نہ سمجھا جائے

ایک جذبہ ہے جو دھڑکن میں رواں رہتا ہے
تیشۂ عشق کو اوزار نہ سمجھا جائے

اینٹ در اینٹ مرے گھر کو سنبھالے ہوئے ہیں
میرے احباب کو دیوار نہ سمجھا جائے

اب کہانی میں کہاں مرتا ہے میرا وجود
میرے کردار کو کردار نہ سمجھا جائے

وہ مری سانس میں تحلیل ہے خوشبو کی طرح
دِل کے رشتے کو فقط پیار نہ سمجھا جائے

بجھ گئے سارے دیے صبح نمودار ہوئی
شب ستاروں کو ہی بیدار نہ سمجھا جائے

پُر تکلف میں ابھی اور بھی کہہ سکتا ہوں
حرفِ سادہ کو ہی اظہار نہ سمجھا جائے

عشق مرکز ہے محبت کے پرستاروں کا
دل لگی کے لیے دلدار نہ سمجھا جائے

سرخ رو ہوتا ہے دنیا میں بھلا کون یہاں
زندگی تجھ کو اگر دار نہ سمجھا جائے

اَن کہی شکل میں رہتا ہے تماشا ہمدؔم
چند لفظوں کو ہی اخبار نہ سمجھا جائے

☆

آئینے سے آنکھ ملائی اپنا چہرہ بھول گیا
دل کے اندر تانکا جھانکا، جو کچھ دیکھا بھول گیا

گھر سے باہر گلیاں دیکھیں، دنیا دیکھی بھی تو کیا؟
اپنے آپ سے باہر نکلا، کیا کیا دیکھا؟ بھول گیا

وقت نے ایسا پانسہ پلٹا منظر منظر خواب ہوا
روپ نگر میں رہنے والا چاند ستارہ بھول گیا

شہر کے بدلے موسم نے بھی اس کو یوں تبدیل کیا
مجھ کو اپنا کہنے والا ایک پرایا بھول گیا

مستقبل کی سوچ نہ رکھی ، اپنا ماضی زندہ باد
ایک زمانہ یاد رکھا ہے، ایک زمانہ بھول گیا

بچے کا اک جملہ سن کر اپنا جملہ یاد آیا
آج سبق کچا ہے میرا، تختی لکھنا بھول گیا

مجھ کو میرے چھم چھم آنسو ہوش نہ آنے دیتے تھے
جھکنے کی اوقات نہیں تھی اپنا سجدہ بھول گیا

بچپن چھوڑ جوانی پہنچا پریم نگر میں آ نکلا
انگلی تھام کے چلنے والا گھر کا رستہ بھول گیا

ماں کے اک بوسے نے میری ساری تھکن اتاری ہے
برگد کے سائے میں آ کر دھوپ کنارہ بھول گیا

مارا مارا گھوم رہا ہوں شہر کی الجھی گلیوں میں
خوابوں کے بازار میں جیسے کوئی بچہ بھول گیا

اب تو ایک سمندر ہے جو میری نظر میں رہتا ہے
دشتِ جنوں میں پیاس بجھی تو قطرہ قطرہ بھول گیا

ریزہ ریزہ حرف ہوئے ہیں سوچوں پر پابندی ہے
لہجہ کرب آلود ہوا تو سچا مصرعہ بھول گیا

مہکی صبحیں، گرم دوپہریں، ٹھنڈی شامیں بھول گئیں
یادوں کا اک سرمایہ تھا، لمحہ لمحہ بھول گیا

ایسی پی کہ مے خانے کی ریت پرانی بدل گئی
ساقی مجھ سے نین ملا کر ہوش میں آنا بھول گیا

تو نے بھی ہجرت کرلی ہے میرے شہر کی یادوں سے
میں بھی تیرے گھر کی گلی میں آنا جانا بھول گیا

اس کو کیا معلوم کہ اس کی یاد کہاں تک پھیلی ہے؟
میرے شہر سے جانے والا، دل سے جانا بھول گیا

کچے گھر سے پکی اینٹوں کی کوٹھی میں آتے ہی
آج ڈرائنگ روم میں بیٹھا گاؤں کا تکیہ بھول گیا

اب تو ایک غزل ہی ہمدم دھڑکن دھڑکن رہتی ہے
دِل میں اترا ساتِ سُروں کا بہتا دریا بھول گیا

❁

☆

مرکزِ چشمِ تماشا جو پری زاد میں ہے
زندگی بھر کا فسانہ اسی روداد میں ہے

پھول کھل جائیں مری بات کی خوشبو پھیلے
حرف زادہ ہوں مری موجِ سخن داد میں ہے

سب پہ تعلیم ہے لازم بڑے آداب کے ساتھ
سربلندی کا ہنر خدمتِ استاد میں ہے

آپ ﷺ کا نور مجسم ہے سرِ بزمِ جہاں
منبعِ نور اسی مطلعِ میلاد میں ہے

طاق در طاق امیدوں کا دیا جلتا ہے
آنکھ تو آنکھ ہے دھڑکن بھی تری یاد میں ہے

میں سخن ساز خداؤں کو بھلا کیوں مانوں
یہ قبیلہ تو صفِ دشمنِ اجداد میں ہے

عشق سچا کہ پہاڑوں کو بھی خم کرتا ہے
بے ستونی کا فسوں تیشۂ فرہاد میں ہے

مل تو جاتا ہے سرِ دشت سفر کرتے ہوئے
عشق کا عین مگر خانۂ برباد میں ہے

کج کلاہوں میں کہاں ظرف کہ سجدہ کر لیں
یہ سلیقہ تو کسی بندۂ آزاد میں ہے

کوفیو! تم نے بنایا ہے اسے بھی لشکر
میرا کنبہ جو ابھی تھوڑی سی تعداد میں ہے

میں کہاں سارے فسانے کو بدل سکتا ہوں
میرا کردار کہانی میں بہت بعد میں ہے

سر کٹانا ہے ابھی جاں بھی مجھے دینی ہے
خوف کیوں حد سے زیادہ مرے جلّاد میں ہے

وار کرتا ہے مرے دل پہ جھجک جاتا ہے
ہو نہ ہو کچھ تو مرا خوف ستم زاد میں ہے

ذہن یوں ہی نہیں تقسیم ہوئے جاتے ہیں
کوئی دیوار کھڑی سوچ کی بنیاد میں ہے

کوئی آئے مرے لفظوں کو ستائش بخشے
پھر مری موجِ غزل نالہ و فریاد میں ہے

میں گرفتارِ محبت ہوں سزاوار نہیں
میرے جینے کا مزا حلقۂ صیاد میں ہے

چلتا جاتا ہوں کسی جوشِ جنوں میں ہمدؔم
مجھ میں ہے ذوقِ سفر یا مرے ہمزاد میں ہے

☆

لا مکاں کی وسعتوں سے ماورا کیوں کر ہوا؟
خاک دانی سے نکل کر آئنہ کیوں کر ہوا؟

اپنے اندر جھانکنے کا سلسلہ کیوں کر ہوا؟
بر سرِ چشمِ تماشا حادثہ کیوں کر ہوا؟

ذات کے اندر سے نکلے، دور تک پھیلے خطوط
ایک نقطہ بڑھتے بڑھتے دائرہ کیوں کر ہوا؟

قیس بھی حیران ہے شہرِ جنونِ عشق میں
جان پر یوں کھیلنے کا مشغلہ کیوں کر ہوا؟

سوچ کی دیوار پر آنگن مرا تقسیم ہے
دو دلوں کے بیچ میں یہ فاصلہ کیوں کر ہوا؟

مسئلے کا حل تو سب نے سوچ رکھا ہے مگر
کون سوچے گا کہ ایسا مسئلہ کیوں کر ہوا؟

بھوک سے روتے ہوئے تو نیند ابدی سو گئے
جاگنے والوں سے پوچھو! سانحہ کیوں کر ہوا؟

زندگی سے ماورا ہے چاہتوں کا سلسلہ
اک ذرا سی بات پر وہ بے وفا کیوں کر ہوا؟

اب گزارا کر مسلسل ہجر کے آزار میں
اے دلا! تو عشق میں درد آشنا کیوں کر ہوا؟

کربلا گزری ہے بھوکی اور پیاسی ماؤں پر
تھر کے ریگستان میں یہ المیہ کیوں کر ہوا؟

آبلے پڑنے لگے ہیں سوچ کر احساس میں
پھول جیسا زخم تھا جو آبلہ کیوں کر ہوا؟

آج تو ہمدم یزیدی فوج کا پہرہ نہیں
پانیوں کا دیس تھا جو کربلا کیوں کر ہوا؟

☆

ستاروں سے کہیں آگے جہاں تصویر کرنا ہے
اسیرِ خاک داں ہو کر فلک تسخیر کرنا ہے

میں دو دو ہاتھ کرتا ہوں انا کے سنگ زادوں سے
کہ فرہادی قبیلہ ہوں چٹاں نخچیر کرنا ہے

ابھی تک تیشۂ فرہاد اپنے پاس رکھا ہے
سو کوہِ بے ستوں میں نے بھی جوئے شیر کرنا ہے

میں اپنے شہر کا موسم محبت سے بدل دوں گا
خزاں جو زہر اگلتی ہے اسے اکسیر کرنا ہے

گھما کر چاک مٹی کو نئی ترتیب دیتا ہوں
لکیریں مٹ گئی ہیں جو انہیں تقدیر کرنا ہے

یہ نسبت موجۂ گل سے مجھے مربوط رکھتی ہے
عزاداری مودّت ہے، غمِ شبیرؑ کرنا ہے

شعورِ زندگی لے کر نئی صبحیں طلوع ہوں گی
رہینِ خواب دنیا کو کفِ شب گیر کرنا ہے

تمدن کی تباہی پر ابھی سے سوچنا ہوگا
کسے بغداد کرنا ہے؟ کسے کشمیر کرنا ہے؟

وفا کی خشک جھیلوں میں کنول کھلتے نہیں لیکن
درونِ چشم خوابوں کا نگر تعمیر کرنا ہے

محبت بانسری بن کر مرے بیلے میں بجتی ہے
میں رانجھا تو نہیں لیکن کسی کو ہیر کرنا ہے

سلگتے ہجر کا سورج مجھے سونے نہیں دیتا
کسی کو بھول جانے کی کوئی تدبیر کرنا ہے

ابھی موجِ غزل دل میں اتر جانے کا موسم ہے
ابھی حرفِ تمنا کو نوائے میر کرنا ہے

زمانے کی طرح میں تو کھنڈر سے یوں نہیں گزرا
مجھے ویران صدیوں کی الگ تفسیر کرنا ہے

کہانی میں ضرورت ہے کسی مردِ قلندر کی
جنوں آزاد کرنا ہے، خرد زنجیر کرنا ہے

رگوں میں حرف بہتا ہے نمودِ آگہی لے کر
سرِ موجِ سخن ہمدم لہو تحریر کرنا ہے

☆

بے طلب دیتا ہے جو کچھ مانگنے دیتا نہیں
دامنِ حرفِ دعا کو بھیگنے دیتا نہیں

خواب دیتا ہے مگر کیوں دیکھنے دیتا نہیں
آئینے کے پار مجھ کو جھانکنے دیتا نہیں

اس قدر پیوست ہیں سانسوں میں اس کی دھڑکنیں
یاد آتا ہے مجھے تو بھولنے دیتا نہیں

خامشی میں بولنے کا یہ سلیقہ خوب ہے
انگلی ہونٹوں پر رکھے وہ بولنے دیتا نہیں

انگلیاں اٹھنے لگی ہیں جھوٹ کے کردار پر
کون سچی بات مجھ کو بولنے دیتا نہیں

اب تو لازم ہو گئی ہے عشق میں آوارگی
کیوں سرِ دشتِ وفا دل جھومنے دیتا نہیں

آفتابی سائباں ہے، سائبانِ عشق بھی
دھوپ نگری میں جو سائے پھیلنے دیتا نہیں

اشک دانی میں پڑی ہیں زندگی کی کرچیاں
کرب ایسا ہے کہ خود کو جوڑنے دیتا نہیں

گو حریمِ ذات ہوں لیکن وفا کا دائرہ
جز محبت اور کچھ بھی سوچنے دیتا نہیں

یہ بھی کوہِ بے ستوں ہے اور جوئے شیر بھی
تیشہء فرہاد کیوں دل کھودنے دیتا نہیں

یاد کا سورج نکلتا ہے طلوعِ شام سے
خواب دھرتی پر مجھے جو لوٹنے دیتا نہیں

اس قدر الجھا ہوا ہے قافلے کا راہبر
منزلوں کے راستے تک پہنچنے دیتا نہیں

سانس لینے کا ہنر دیتا ہے لیکن یہ نظام
فکر میں آزادیوں کو سینچنے دیتا نہیں

موجہ ءگل سے مزین ہے ہمارا آشیاں
جو خزاں کے دور میں بھی ٹوٹنے دیتا نہیں

میں کسی کے شہر کا موسم بدل سکتا بھی ہوں
رخ ہواؤں کا مگر وہ موڑنے دیتا نہیں

میں نہیں سقراط، نے منصور، نے شبیرؑ ہوں
ہاں مجھے بھی اک زمانہ بولنے دیتا نہیں

دیکھنا ہمدم کسی کا مجھ کو پتھر کر گیا
ایک منظر ہے جو کچھ بھی دیکھنے دیتا نہیں

☆

دن کو سورج تو سرِ شام سیاہی دیں گے
آئینہ زاد مگر ژرف نگاہی دیں گے

تم زمانے کا یہ معیار بدل جانے دو
پھر یہی لوگ محبت کی گواہی دیں گے

منزلیں عشق کی دشوار نہیں ہیں لیکن
ہر قدم موڑ نیا ہجر کے راہی دیں گے

رسمِ اجداد نبھانا ہے وتیرہ اپنا
دیکھنا جاں بھی محبت کے سپاہی دیں گے

شعر کہنا بھی قیامت ہے سرِ شہرِ خیال
ہم سرِ موجِ سخن حشر اٹھا ہی دیں گے

سامراجی تو فقط موت کے سوداگر ہیں
جب بھی آئیں گے سرِ شہر تباہی دیں گے

دینا چاہیں بھی تو اوقات نہیں ہے اپنی
ہم تو مجبور سے بندے ہیں دعا ہی دیں گے

مجھ کو معلوم کہ احباب سخی ہیں کتنے
درد بھی دینے پہ آئے تو سوا ہی دیں گے

پیچ در پیچ کفِ چاک گھمائے ہوئے ہیں
خاک دانی میں کوئی نقش بنا ہی دیں گے

تھر کے زخموں کی زمیں ہم نے رفو کرنی ہے
کیسے ہوتا ہے مداوا یہ بتا ہی دیں گے

خواب سچا ہے تو تعبیر کرے گی دنیا
نقش جھوٹا ہے تو دنیا سے مٹا ہی دیں گے

ظلمتِ شب سے نکلنا نہیں آساں لیکن
اپنے حصے کے چراغوں کو جلا ہی دیں گے

بھیک دیتے ہیں جو احسان سمجھ کر ہمدمؔ
وہ مرا حق بھی مگر نامِ خدا ہی دیں گے

پروین شاکر کے نام

''آج کی شب تو کسی طور گزر جائے گی''
آج کی رات سرِ ہجر بھلا ہی دیں گے

''خودکلامی'' ہے یہ ''صد برگ'' سے ''انکار'' نہیں
ہم تو ''خوشبو'' کے مسافر ہیں نوا ہی دیں گے

حرف ''خوشبو'' میں جو مہکیں گے سرِ ''ماہِ تمام''
''لفظ میرے، مرے ہونے کی گواہی دیں گے''

میں تو احساس کے غنچے میں بسا ہوں ہمدم
''مر بھی جاؤں تو کہاں لوگ بھلا ہی دیں گے''

☆

یہ تماشا بھی کہاں تھا پہلے
آئینہ کس پہ عیاں تھا پہلے

عشق مستی میں رواں تھا پہلے
جبکہ آتش بھی جواں تھا پہلے

میر در میر رواں تھا پہلے
شاعرِ اردو زباں تھا پہلے

موجۂ گل بھی خزاں تھا پہلے
اے دسمبر تو کہاں تھا پہلے

عشق میں شعلہ فشاں تھا پہلے
تو کہ اک سرِ نہاں تھا پہلے

خاک سے آگ کا ٹکراؤ تھا
بعد شعلے تھے، دھواں تھا پہلے

خاک دانی سے نکل کر گم ہوں
میں وہاں پر ہوں جہاں تھا پہلے

ہجر کی دھوپ اتر آئی ہے
غم کی بارش کا سماں تھا پہلے

کن کی آواز اٹھانے والا
صاحبِ کون و مکاں تھا پہلے

اب جو ہمدم ہے سرِ موجِ سخن
شعر بھی موجِ رواں تھا پہلے

شہدائے پشاور کے نام

چمن چمن کی فضائیں سلام کہتی ہیں
ہر اک شہید کو مائیں سلام کہتی ہیں

یہ سانحہ کہ جو تجدیدِ کربلا ٹھہرا
اس امتحاں کو وفائیں سلام کہتی ہیں

کتاب قتل ہوئی ہے مگر شعور نہیں
اس آگہی پہ ضیائیں سلام کہتی ہیں

ہو میری قوم کی معمار طاہرہ کو سلام
تمام بچوں کی مائیں سلام کہتی ہیں

مہک رہی ہیں جو سینہ فگار پھولوں سے
وفا کے خوں کو قبائیں سلام کہتی ہیں

سلام ہو تری معصوم جراتوں کو سلام
مری تمام دعائیں سلام کہتی ہیں

رہِ وفا کے مسافر، شہیدِ علم سلام
''تمہیں وطن کی ہوائیں سلام کہتی ہیں''

''اے راہِ حق کے شہیدو! وفا کی تصویرو!''
تمہیں خدا کی رضائیں سلام کہتی ہیں

صریرِ موجِ سخن ہے مرا سلام ہمدمؔ
نوائے حق کی صدائیں سلام کہتی ہیں

☆

شعور و فکر کی شمعیں سلام کہتی ہیں
قلم، کتاب، دواتیں سلام کہتی ہیں

سکول جا کے کہاں کھو گئے ہو تم بچو!
چلے بھی آؤ کہ بہنیں سلام کہتی ہیں

مجاہدوں کو وہ سینے لگا کے ملتے ہیں
رسولِ پاک ﷺ کی باہنیں سلام کہتی ہیں

حسینیت کے مسافر ہیں پاسبانِ وطن
جنہیں فرات کی موجیں سلام کہتی ہیں

کتابِ زیست کا عنوان بن گئے ہو تم
تمہیں تمام کتابیں سلام کہتی ہیں

یہ آنسوؤں کا حوالہ تو کربلا سے ہے
شہیدِ کرب کو آنکھیں سلام کہتی ہیں

بڑھا دیا ہے تقدس سکول کا تم نے
تمہیں سکول کی میزیں سلام کہتی ہیں

رخِ گلاب ہے روشن تری شہادت سے
نکھر گئی ہیں جو بیلیں سلام کہتی ہیں

چمن سے کوچ کیا ہے اداس پھولوں نے
تمام قوم کی آہیں سلام کہتی ہیں

نکل رہی ہے اندھیروں سے روشنی ہمدمؔ
یہ آفتابی شعاعیں سلام کہتی ہیں

☆

دھوپ نگری سے کہیں دور شجر دیکھ لیا
کس کے آنگن میں پرندوں نے ثمر دیکھ لیا

خواب زادی نے مرا خواب نگر دیکھ لیا
آنکھ کھولی تو مجھے حدِّ نظر دیکھ لیا

میں زمیں زاد فلک زار میں آ پہنچا ہوں
ہم سفر تو نے مرا ذوقِ سفر دیکھ لیا

خاک دانی میں سماتا ہے کہاں تیرا وجود
آئینہ پوش تجھے پیشِ نظر دیکھ لیا

کتنی چاہت سے کہا رشکِ قمر ہے تو بھی
جس گھڑی ماں نے مرا نورِ نظر دیکھ لیا

اب چمکتا ہے سرِ اشک دیے کی صورت
ایک جگنو نے مرا دیدۂ تر دیکھ لیا

ایک دریا سے مزین ہے مرا دشتِ غزل
دیدہ و دل نے تجھے مصرعۂ تر دیکھ لیا

آگ جلتی ہے کہیں دل سے دھواں اٹھتا ہے
کس مصیبت نے فقط میرا ہی گھر دیکھ لیا

قابَ قوسین میں چمکا جو ستارہ بن کر
آسماں والوں نے وہ رشکِ قمر دیکھ لیا

رسمِ تخریب پہ تعمیر ہوئی جاتی ہے
میں نے تاریخ کے چہرے پہ کھنڈر دیکھ لیا

روشنی تو نے مٹانے کی سعی جو کی ہے
میرے دشمن تری آنکھوں میں بھی ڈر دیکھ لیا

تیز بارش نے ہواؤں کا سہارا لے کر
گھر کی ٹوٹی ہوئی دیوار میں در دیکھ لیا

میں نہ کہتا تھا کہ بینائی بھی کھو بیٹھو گے
آنکھ سورج سے ملائی تو اثر دیکھ لیا

میرے گلشن کو بگولوں سے ڈرانے والو
تنکا تنکا ہے یہاں سینہ سپر دیکھ لیا

اب تو دامن میں اندھیروں کے سوا کچھ بھی نہیں
ہائے افسوس! مری آنکھ کدھر دیکھ لیا

تجھ کو سوچوں بھی تو انداز بدل جاتا ہے
دِل کی دھڑکن پہ محبت کا اثر دیکھ لیا

شعر کہنا تو فسانہ ہے سرِ موجِ سخن
حرف ریزی میں کہانی کا ہنر دیکھ لیا

زندگی ایک نظر ہاتھ کی تقدیر پہ کر
کیا ہوا میں نے کوئی خواب اگر دیکھ لیا

دل کی پرواز المناک رہی ہے ہمدم
دشتِ الفت میں گرا کونج کا پر دیکھ لیا

☆

عشق دریا کا عجب معیار ہے
ڈوبنے والے کا بیڑا پار ہے

آئینے سے برسرِ پیکار ہے
دِل کی دھڑکن کرب سے دوچار ہے

ایک دروازے کا رشتہ ہے مگر
کھڑکیوں میں سوچ کی دیوار ہے

میری خاموشی میں ہیں مجبوریاں
ہاں مرا اقرار ہی انکار ہے

موجۂ گل سے معطر ہے وجود
خواب نگری ہے کہ لالہ زار ہے

عین ممکن ہے خزاں میں کھل اٹھے
درد کا غنچہ ابھی بے خار ہے

جانچتا ہوں تیرا رخ دیکھ کر
دو رخی تو جھوٹ کا معیار ہے

اب کوئی اچھی خبر آتی نہیں
خون میں تر شہر کا اخبار ہے

عکس بنتے ہیں بگڑ جاتے بھی ہیں
دائرہ در دائرہ پر کار ہے

میں نہیں سمجھا ابھی اپنا شعور
رتجگا ہے ، دیدۂ بیدار ہے

میں فسانے میں نظر آتا نہیں
میرے اندر ہی مرا کردار ہے

لکھ رہا ہوں خون سے عہدِ وفا
سرخ رو دھرتی مرا گل زار ہے

ہر گھڑی تشکیل دینی ہے مجھے
زندگی بھی اک حسیں شہکار ہے

میں تجھے کیا کیا کہوں بھولے سجن
تو مرا محبوب ہے، منٹھار ہے

سر جھکائے چل رہا ہے کارواں
ہر قدم رہزن مرا سردار ہے

میں نہیں منصور لیکن آج بھی
سچ بیانی مجھ کو مثلِ دار ہے

خاک دانی سے نکل آیا تو ہوں
دور تک پھیلا ہوا پندار ہے

ہر قدم پر ہے خراجِ زندگی
ہر قدم جینا مرا دشوار ہے

تجھ کو لکھا ہے کفِ ادراک پر
یہ غزل میرا حسیں شہکار ہے

اب تو سورج عین سر پر آ گیا
دھوپ ہی اب سایۂ دیوار ہے

سچ نہیں ممکن اگر بحرِ غزل
شاعری ہمدؔم تری بے کار ہے

☆

دھوپ نگری میں شجر زاد قبائیں دی ہیں
زندگی بھر جو مجھے ماں نے دعائیں دی ہیں

تیری الفت میں زمانے سے گزر جاتے ہیں
خاک زادوں کو عجب تو نے ادائیں دی ہیں

خون آلود دھندلکا ہے مری آنکھوں میں
کس نے بارود میں لپٹی یہ فضائیں دی ہیں

جلتے رہنا ہے ہمیں خونِ جگر ہونے تک
بام در بام چراغوں نے صدائیں دی ہیں

تلخ لہجے ہیں، تناؤ میں بسے ہیں معنی
موسمِ کرب نے مسموم ہوائیں دی ہیں

کرچی کرچی ہوں مگر حد سے زیادہ روشن
ٹوٹ جانے پہ مجھے اور ضیائیں دی ہیں

بند آنکھوں سے تماشا نہیں دیکھا جاتا
موجِ ادراک نے کچھ ایسی سزائیں دی ہیں

خود کو احساس کی قینچی سے کترنا ہوگا
وقت کے ہاتھ میں جب چاک قبائیں دی ہیں

شاخ پر تھا تو بہاروں میں نمو تھی ہمدم
برگِ آزاد نے گلشن کو خزائیں دی ہیں

☆

عکس ہے گویا مرے شہکار کا
آئینہ ہے برسرِ پیکار کا

رنگ، خوشبو، موج، لالہ زار کا
موسمِ گل ہے ہمارے پیار کا

جھوٹ میں بھی سو طرح کے جھوٹ ہیں
جھوٹ بھی سچا نہیں اخبار کا

خوب لکھوں گا سرِ موجِ سخن
جب کبھی موقع ملا اظہار کا

نیند کا پردہ پڑا ہے آنکھ پر
خواب کیا دیدۂ بیدار کا

یہ مری تازہ خیالی تو نہیں
زرد موسم ہے مرے افکار کا

المیہ ہے جیت جانا بھی مرا
دکھ نہیں ہے مجھ کو اپنی ہار کا

کانچ کے پیکر تراشے جائیں گے
امتحاں ہے پھر ترے فنکار کا

میرے اپنے بھی ہیں سازش میں شریک
جرم ہے سارا کہاں اغیار کا

کھیت کی بربادیاں ہیں باڑ میں
کام اپنے کر گئے غدار کا

خون ہونے کو یہاں موجود ہوں
مول ہے کتنا مری بیگار کا

ایک مدت سے جو زیرِ دام ہے
وہ پرندہ ہے ہماری ڈار کا

لوگ مرنے سے اگر ڈرتے رہے
نام تک رہنا نہیں ہے دار کا

پڑ گئی ہے ساقیا تیری نظر
جام خالی ہو گیا مے خوار کا

بک گیا ہوں کوڑیوں کے بھاؤ میں
رنگ دیکھا ہی نہیں بازار کا

بن رہی ہے گاؤں میں پکی سڑک
کٹ رہا ہے سلسلہ اشجار کا

منقسم ہونا پڑا ہمدؔم ہمیں
اب تو رشتہ ہے فقط دیوار کا

☆

چراغ حرفِ تمنا کی آرزو کرتے
سرائے موجِ سخن میں جو گفتگو کرتے

الجھ رہے ہیں بگولوں سے خاک زادِ وجود
ہوا کے ہاتھ سے دھرتی کو کیا رفو کرتے

خزاں کے دور میں رکھی نہ بے نمود زمیں
وہی کیا ہے جو گلشن میں رنگ و بو کرتے

ہوئے ہیں عشق میں ایسے بھی غیر شرعی لوگ
کسی کا ذکر بھی کرتے تو باوضو کرتے

ملی خموشِ محبت ہی بندگی کے لیے
وگرنہ ہم بھی فقط ایک اللہ ہو کرتے

ملی نہ مجھ سے نہ ساقی سے آنکھ رندوں کی
وگرنہ جام سے پہلے سبو سبو کرتے

جو بات میں نے سنی ہے عدو کے لہجے سے
گلہ یہی ہے کہ تم مجھ سے رو برو کرتے

ردائے موجۂ گل سے نہال کر رکھتے
پون پون مری شہرت نہ کو بہ کو کرتے

سیاہ رتوں سے گزرنے کی آرزو تھی اگر
لہو جلا کے چراغوں کی آبرو کرتے

عجیب داغ تھے دل پر کسی طرح نہ گئے
کھڑے ہیں گھاٹ پہ صدیوں سے چھوا چھو کرتے

کوئی ملا ہی نہیں ہے سراب سے پہلے
وفا کے دشت میں ہم کس کی جستجو کرتے

تو خشک جھیل کی صورت کبھی ملا ہی نہیں
نثار تجھ پہ محبت کی آب جو کرتے

مجھے تو مار دیا ہے تری محبت نے
جو کام تو نے کیا ہے، یہی عدو کرتے

دیے جلاتے ہی جائیں گے صبح ہونے تک
کٹے گی عمر اندھیروں کو بے نمو کرتے

تمام عمر جنوں میں گزار دی ہمدم
ہوا نہ ہم سے خرد بھی کہ ہاؤ ہو کرتے

☆

خوابوں کی سرزمیں پر کچا مکاں بنایا
سب کچھ سراب کرکے دشتِ جہاں بنایا

کیا مکاں بنایا، کیا لا مکاں بنایا
کیا کچھ بنا کے تونے یہ خاکداں بنایا

دیکھا ہوا تھا پہلے جو آئنہ بنا ہے
مجھ پر عیاں ہوا جو سرِّ نہاں بنایا

بزمِ ادب نے ایسا سچا شعور بخشا
موجِ سخن کو موجِ اردو زباں بنایا

اس پر بھی آندھیوں نے گہری نظر رکھی ہے
تنکے سجا سجا کر جو آشیاں بنایا

تاریخ کے ورق پر سب کچھ لکھا ہوا ہے
کس نے دیا جلایا؟ کس نے دھواں بنایا؟

احساس کا دریچہ مندر بنا ہوا ہے
میرا یقین کس نے وہم و گماں بنایا

دیکھا پری رخوں نے پہلو بدل بدل کر
اپنی ہر اک ادا کو تیر و کماں بنایا

پہلے تو مجھ کو بخشا اک بے کراں زمانہ
دو گز زمین کو پھر میرا مکاں بنایا

بے کار زندگی نے بوڑھا کیا تھا لیکن
تیری محبتوں نے مجھ کو جواں بنایا

لفظوں کے دائرے نے معنی عطا کیے ہیں
حرفِ تمام ہمدم طرزِ فغاں بنایا

یہ فی البدیہہ تکلم، مشق سخن نہیں ہے
موجِ سخن نے ہمدؔم مصرع رواں بنایا

☆

خاک دانی سے نمودار کیا ہے اس نے
آئینہ خواب سے دوچار کیا ہے اس نے

حسنِ یوسفؑ کا خریدار کیا ہے اس نے
دل مرا مصر کا بازار کیا ہے اس نے

میں محبت کا سزاوار نہیں ہوں لیکن
میری قسمت کہ مجھے پیار کیا ہے اس نے

مجھ کو اڑنا تو سکھایا تھا مگر یہ کیا ہے؟
بن کے صیاد گرفتار کیا ہے اس نے

اس قدر اس نے سنوارے ہیں مرے بگڑے نقوش
خود کو دیکھا ہے تو سرشار کیا ہے اس نے

ہاں ! وہی میں ہوں ! جسے یاد کیا کرتے ہو!
کس قدر پیار سے اقرار کیا ہے اس نے

یوں سرِ خواب مری رات گزر جاتی ہے
ہجر مشکل تھا مگر پار کیا ہے اس نے

ہائے یہ موڈ مجھے قتل کیے دیتا ہے
کج ادائی کو بھی تلوار کیا ہے اس نے

اب تو ہم اپنی اناؤں سے گلے ملتے ہیں
آئنہ ریت کی دیوار کیا ہے اس نے

غیر ممکن ہے وہی قتل کیا جائے گا
ایک قاتل جو گرفتار کیا ہے اس نے

دشتِ الفت میں حسینؑ تھا وہ مرنے والا
شہر کا شہر عزادار کیا ہے اس نے

ہار جاتا ہوں محبت سے، میں نفرت سے نہیں!
میرے دشمن کو بھی ہشیار کیا ہے اس نے

لوگ پڑھتے ہیں تو پڑھتے ہی چلے جاتے ہیں
اپنے کردار کو اخبار کیا ہے اس نے

اس نے ڈالی ہے خزاؤں میں بہاروں کی نمود
خشک پتوں کو ثمر بار کیا ہے اس نے

اس نے تہذیب سکھائی ہے محبت سے ہمیں
بے ادب کو بھی طرح دار کیا ہے اس نے

میں تو دشمن کے تعاقب میں چلا تھا لیکن
مڑ کے دیکھا تو لگا، وار کیا ہے اس نے

اُس کی آنکھوں پہ غزل کہنا پڑی ہے ہمدؔم
میرے جذبات کو اشعار کیا ہے اس نے



شاعر کی مزید کتب

- موجِ کرم (حمد و نعت)
- پانچواں موسم (غزلیات)
- آئینہ سچ بولتا ہے (غزلیات)
- موج غزل (طرحی غزلیات)
- محبت کی زباں (طرحی غزلیات)
- دھوپ کی دیوار (طرحی غزلیات)
- چراغِ فکر (طرحی غزلیات)
- جہانِ خواب (طرحی غزلیات)
- چشم تماشا (طرحی غزلیات)
- سراب سے آگے (طرحی غزلیات)
- تیسرے کنارے پر (طرحی غزلیات)
- نمودِ سحر (طرحی غزلیات)
- آدھا سفر (طرحی غزلیات)
- دم (منتخب دیوان)
- آخری چراغ (غزلیات)
- طرحی غزلیات (زیرِ طبع)

مکتبۂ ارمغانِ ابتسام
https://archive.org/details/@nzkiani
nzkiani@gmail.com